سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ رض

طالب الہاشمی

حضرت خالد بن ولید رض سیف اللہ

حضرت خالد بن ولیدؓ ـــــ سیف اللہ

①

سیدنا حضرت خالد بن ولیدؓ، اسلام کے وہ عظیم سپہ سالار اور تاریخ ساز فاتح ہیں، جن کے ولولہ انگیز کارناموں اور راہِ حق میں جاں سپاری کا حال پڑھ کر ہر مسلمان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور خون گرم ہو جاتا ہے۔

خالدؓ وہی تو ہیں:

جن کے لیے سرورِ کائنات فخرِ موجودات رحمتِ دوعالم ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں شرفِ اسلام سے بہرہ ور کر دے۔

خالدؓ وہی تو ہیں کہ:

جب وہ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ کی معیت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور سید کونین ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کیا تو آپ ﷺ نے وفورِ مسرت میں صحابۂ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

رُمَتْكُمْ مَكَّةُ بِاَفْلَاذِ كَبِدِهَا

مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہاری جانب پھینک دیے ہیں۔

خالدؓ وہی تو ہیں:

جن کو بارگاہِ رسالت سے ''سیف اللہ'' کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا اور جن کے

بارے میں سید الانبیاء والمرسلین علیہ نے فرمایا:

''خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جسے اُس نے کفار کے خلاف میان سے نکالا ہے۔''

حضرتؓ خالد بن ولید سیف اللہ ہماری تاریخ کے وہ بطل جلیل ہیں، جن کی بے مثال شجاعت اور محیر العقول عسکری مہارت وصلاحیت کا دنیا کے تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا ہے۔ اگر چہ صحرائے عرب کے یہ جیالے فرزند فنونِ حرب کی کسی باقاعدہ درس گاہ کے تربیت یافتہ نہ تھے لیکن میدانِ جنگ میں ان کی شہسواری، مہارت، قیادت، شجاعت، فراست اور صف آرائی کا حال پڑھ کر لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جرنیل اور فاتح عسکری قابلیت میں ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ایک مصری مؤرّخ عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب ''عبقریۃ خالدؓ'' میں حضرت خالدؓ بن ولید کی شخصیت کے عسکری پہلو کا تجزیہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ''عسکری قائدانہ اوصاف میں سے کوئی وصف ایسا نہ ہوگا جو خالدؓ میں نہ ہو۔ وہ شجاعت، جواں مردی، حاضر دماغی، پھرتی اور دشمن پر بے پناہ ضرب لگانے میں لاثانی تھے اور دم کے دم میں جنگ کا پانسا پلٹا دینا ان کے لیے ایک کھیل تھا۔''

لاریب خالدؓ سیف اللہ ہماری تاریخ کی متاعِ گراں بہا ہیں، جن پر ہم بجا طور پر ناز کرسکتے ہیں اور دشمنانِ حق کے مقابلے میں ان کی سرفروشی اور جانبازی کو اپنے لیے نمونہ بنا سکتے ہیں۔

(۲)

حضرت خالدؓ بن ولید کا تعلق قریش کے خاندان ''بنومخزوم'' سے تھا، جو زمانۂ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا۔ قریش نے مکہ میں جو شہری ریاست قائم کی تھی اس کی عسکری قیادت بنومخزوم کے ہاتھ میں تھی۔ لشکری قیادت کے دو منصب ''القُبّہ'' (قریش میں دستور تھا کہ لڑائی کی تیاری کے وقت ایک خیمہ لگایا جاتا تھا جس میں ہر شخص بقدرِ استطاعت سامانِ حرب لاکر جمع کرتا تھا) اور ''الاِعَنّہ'' (شہسوار فوجی دستہ) اسی خاندان میں تھے۔ یہ قبیلہ اپنے تمول، شرافت، شجاعت اور جنگ آزمائی کے اعتبار سے قریش میں خاص مقام رکھتا تھا۔ حضرت خالدؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

خالدؓ بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر (بروایت دیگر عمرو) بن مخزوم بن یقظہ بن مرّہ بن کعب بن لوئ القرشی۔

ان کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت (یعنی مرّہ بن کعب) میں رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔

والدہ کا نام لبابۃ الصغریٰ تھا جو حارث بن حزن ہلالی کی بیٹی تھیں۔

لبابۃ الصغریٰ اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت حارث اور حضرت اُمُّ الفضل لبابۃ الکبریٰؓ زوجۂ حضرت عباسؓ بن عبدالمطّلب کی بہن تھیں۔ اس نسبت سے سرورِ عالم ﷺ اور حضرت عباسؓ، حضرت خالدؓ کے خالو ہوتے تھے۔

لبابۃ الصغریٰ کے اسلام لانے کے بارے میں مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ اسلام لے آئیں تھیں، ان کے بیان کی بنیاد یہ ہے کہ لبابۃ الصغریٰ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت تک زندہ رہیں۔ لیکن دوسرے ان کے اسلام لانے کو تسلیم نہیں کرتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت خالدؓ بن ولید کی مشہور کنیت ابوسلیمان تھی۔ بعض نے ایک دوسری کنیت ابوالولید بھی بیان کی ہے۔

حضرت خالدؓ کا والد ولید بنو مخزوم کا سردار تھا اور قریش کے نہایت متموّل اور بااثر رئیسوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ان ''بڑے'' آدمیوں میں سے تھا، جن کے بارے میں قریش کہا کرتے تھے کہ قرآن ان پر کیوں نہ اترا جیسا کہ سورہ الزُّخرف میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ
(آیت:۳۱)

کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا۔

مفسرین نے قریتین سے مراد مکہ معظّمہ اور طائف کے شہر لیے ہیں۔ قریش کے نزدیک ولید بن مغیرہ اور طائف کے عروہ بن مسعود ثقفی ایسے ''بڑے'' آدمی تھے کہ آسمان سے وحی کا نزول ہونا ہی تھا تو وہ رسولِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر (نعوذ باللہ) اس بات کے مستحق تھے کہ قرآن ان پر نازل ہوتا۔

ولید بن مغیرہ فی الحقیقت نہ صرف مال و جائداد کے اعتبار سے بلکہ فہم و ذکا، جود وسخا، کثرتِ اولاد اور طلاقت لسانی کے لحاظ سے بھی قریش میں منفرد حیثیت رکھتا تھا اور العدل (انصاف پسند) اور الوحید (یکتا) کے القاب سے مشہور تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے حضورؐ کی بعثت سے پہلے مے نوشی بالکل ترک کر دی تھی۔ وہ حج کے دنوں میں منیٰ میں تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور کسی دوسرے کو منیٰ میں کھانا پکانے کے لیے آگ جلانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک سال اکیلے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا کرتا تھا اور دوسرے سال تمام قریش مل کر غلاف چڑھاتے تھے۔ مال و دولت کی وہ فراوانی تھی کہ کم از کم بارہ ہزار دینار ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مکہ اور طائف میں اس کے بے شمار باغات تھے، جن کا پھل سال بھر ختم نہ ہوتا تھا۔ اس کے دس (بروایت دیگر چودہ یا آٹھ) بیٹے تھے جو مجلسوں میں اس کے ساتھ حاضر رہتے تھے۔ خالدؓ بن ولید جیسے لائق فرزند بھی ان میں شامل تھے) اس بنا پر وہ طاقت اور رسوخ کے اعتبار سے تمام سردارانِ قریش میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبدالمطلب کے بعد جن لوگوں نے قریش کی سیادت کا دعویٰ کیا ان میں وہ بھی شامل تھا۔ اس کے پختہ عزم اور حوصلے کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ جب قریش نے (بعثت نبوی سے پانچ سال قبل) کعبہ کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو کوئی شخص اس کے کسی حصے کو گرانے کے لیے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کدال ہاتھ میں لی اور یہ کہہ کر عمارت گرانی شروع کر دی ''اے کعبے والے ہم جو کچھ کرنے لگے ہیں اس میں کسی برے ارادے کو دخل نہیں ہمارا ارادہ نیک ہے۔''

ولید کعبہ کی اس قدر تعظیم کرتا تھا کہ کبھی اس میں جوتیاں پہن کر داخل نہیں ہوتا تھا۔ اہل سیر نے ولید بن مغیرہ کے جو اوصاف و خصائل بیان کیے ہیں ان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرتا اور قرآن حکیم کی تصدیق کرنے میں پیش پیش ہوتا لیکن بدقسمتی سے خاندانی غرور اور جاہ و حشم اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔ وہ اپنی ریاست و وجاہت کو برقرار رکھنے کے لیے نہ صرف خود اسلام سے محروم رہا بلکہ اس کو پھیلنے سے بھی روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

سرورِ عالم ﷺ نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو مشرکین قریش زیرِ پا ہو گئے اور انہوں نے حضورؐ اور آپؐ کے نام لیواؤں کو ستانے اور دعوتِ حق کے راستے میں روڑے اٹکانے پر کمر

باندھ لی۔ اس کام میں ابوجہل، ابولہب، عاص بن وائل، اُمیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور ولید بن مغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے حضورؐ کو تبلیغ حق سے باز رکھنے کے لیے بڑا زور لگایا لیکن آپ نے ان کی کچھ پروانہ کی اور برابر تبلیغ حق کا فریضہ ادا فرماتے رہے۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ مشرکین قریش کے کئی وفد مختلف موقعوں پر جناب ابوطالب کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو تبلیغ حق سے روکیں یا ان کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ ان وفدوں میں ولید بن مغیرہ بھی شامل تھا۔ اس نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے ایک بیٹے عمارہ (حضرت خالدؓ کے بھائی) کو مشرکین کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے ابوطالب کے حوالے کر کے اس کے بدلے میں محمد ﷺ کو مانگ لیں۔ چنانچہ مشرکین کا ایک وفد جناب ابوطالب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ:

> ''اے ابوطالب! یہ عمارہ بن ولید قریش کا نہایت خوبصورت اور صاحب فہم و تمیز نوجوان ہے تم اسے اپنا بیٹا بنالو اور اس کے بدلے اپنے بھتیجے محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دو، جس نے تمہارے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی اور تمہاری قوم میں پھوٹ ڈال دی اور ہم سب کو احمق قرار دیا، ہم ایک آدمی دے کر دوسرا لیتے ہیں تاکہ اسے قتل کر ڈالیں۔''

جناب ابوطالب نے ان کی پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کسی قیمت پر حضورؐ کی حمایت سے دست کش ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مشرکین قریش کے وفود رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست بھی ملے اور آپؐ سے کہا کہ اگر آپؐ کو مال درکار ہے تو ہم آپ کو اتنا مال دے دیں گے کہ آپؐ مکہ کے سب سے مالدار آدمی بن جائیں گے۔ اگر آپ بادشاہ یا سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنانے پر تیار ہیں۔ اگر آپؐ شادی کرنا چاہیں تو جس عورت کو آپ پسند کریں اس سے آپؐ کی شادی کیے دیتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپؐ ہمارے معبودوں کی برائی کرنا چھوڑ دیں۔ اگر یہ آپؐ کو منظور نہیں تو پھر ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک سال ہم آپؐ کے دین میں داخل ہو جائیں اور ایک سال آپؐ ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔

سرورِ عالم ﷺ نے ان کی کوئی بات قبول نہ کی اور فرمایا، میں جو چیز تمہارے پاس لایا

ہوں وہ اس لیے نہیں لایا کہ تم سے مال طلب کروں یا تم میں شرف حاصل کروں یا تمہارا بادشاہ بن جاؤں بلکہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لیے بشیر اور نذیر بنوں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اب اگر تم اس کو قبول کرلو تو دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوگے۔ اگر اسے رد کرتے ہو تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے۔

بعض روایات میں ہے کہ ولید بن مغیرہ دل میں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا قائل ہو چکا تھا اور اس نے ایک دو موقعوں پر اس کا دبی زبان سے اظہار بھی کیا لیکن ابوجہل نے اس کو سعادت ایمانی حاصل کرنے سے باز رکھا۔ ابن اسحاقؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ سرداران قریش نے (حج سے پہلے) ایک اجتماع میں طے کیا کہ جب تمام عرب سے حاجیوں کے قافلے مکہ میں آئیں تو ان کو حضورؐ سے بدگمان اور متنفر کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس موقعے پر ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا کہ اگر ہم نے محمد ﷺ کے بارے میں مختلف باتیں لوگوں سے کہیں تو وہ ان پر یقین نہیں کریں گے اس لیے ضروری ہے کہ سوچ سمجھ کر کوئی ایک بات طے کرلو، جس کو سب لوگ بالاتفاق کہیں۔ کچھ لوگ بولے، ہم محمد (ﷺ) کو کاہن کہیں گے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہیں ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے جس قسم کی باتیں وہ کرتے ہیں، قرآن کو ان سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا، ہم انہیں مجنون کہیں گے۔ ولید نے کہا، واللہ وہ مجنون بھی نہیں ہیں بھلا کوئی مجنون بھی ایسا کلام پیش کرسکتا ہے جو محمد (ﷺ) پیش کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگ بولے، ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا، وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شاعری کی ساری اصناف سے واقف ہیں، ان کے کلام پر شاعری کا اطلاق نہیں ہوتا۔

لوگ بولے، اچھا تو پھر ان کو ساحر کہیں گے۔

ولید نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا اور کہا، ہم ان میں سے جو بات بھی کریں گے لوگ اس کو باور نہیں کریں گے۔ خدا کی قسم اس کلام میں بڑی حلاوت ہے اس کی جڑ بڑی گہری اور اس کی ٹہنیاں بڑی ثمردار ہیں۔

اس پر ابو جہل نے جھلا کر کہا، اے ابا عبد شمس (ولید کی کنیت) پھر تم ہی وہ بات بتاؤ، جو ہم حاجیوں کے سامنے جا کر کہیں۔

ولید دیر تک سوچتا رہا اور پھر کہا، قریب ترین جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ہے کہ ہم حاجیوں سے کہیں، یہ شخص جادوگر ہے اور اس کے کلام سے میاں بیوی، باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ولید کی بات پر سب کا اتفاق ہو گیا اور مشرکین نے حضورؐ کے خلاف اپنی مہم کی بنیاد اسی بکواس پر رکھی۔

ولید بن مغیرہ کے اس کردار پر سورۂ مدثّر میں یہ تبصرہ کیا گیا ہے:

''(اے پیغمبرؐ) مجھے اس شخص سے سمجھ لینے دو۔ جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا اور پھر اس کو مالِ کثیر عنایت کیا اور (ہر وقت اس کے ساتھ) حاضر رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے ہر طرح کا ساز و سامان (لازمۂ ریاست) مہیا کر دیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اس کو اور زیادہ دوں سو ہرگز ایسا نہ ہوگا یہ میری آیتوں کا دشمن رہا ہے (بلکہ) میں (تو عنقریب) اسے ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی، ہاں خدا کی مار اس پر کیسی بات بنانے کی کوشش کی پھر لوگوں کی طرف دیکھا پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا، پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا تو یہ کہ یہ قرآن کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو، جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔'' (سورہ مدثر: ۱۱-۲۵)

بعض مفسرین کے نزدیک قرآنِ حکیم کی کچھ اور آیات بھی خاص ولید بن مغیرہ کے کردار کے بارے میں نازل ہوئیں۔

ولید بن مغیرہ حالت کفر ہی میں ہجرت نبوی کے تین ماہ بعد پچانوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(۳)

حضرت خالدؓ بن ولید کی تاریخ ولادت کا کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت نبوی کے وقت ان کی عمر چوبیس یا پچیس برس کی تھی کیونکہ اکثر مؤرّخین نے ۲۱ ہجری یا ۲۲ ہجری میں ان کی عمر ساٹھ برس بیان کی ہے۔ ابن عساکر کا بیان ہے کہ وہ حضرت عمر

فاروقؓ کے ہم عمر تھے اور بچپن میں ایک دفعہ انہوں نے کشتی لڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کی پنڈلی توڑ ڈالی تھی، جو کافی علاج معالجے کے بعد ٹھیک ہوئی تھی۔ اس حساب سے وہ بعثت نبوی سے تقریباً ۲۷ برس پہلے اور ہجرت نبوی سے تقریباً ۴۰ برس پہلے پیدا ہوئے اور ۲۱-۲۲ ہجری میں ان کی عمر ساٹھ برس سے اوپر تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت خالدؓ منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے۔ باپ رئیس الروٴسا تھا، اس کے پاس مال و دولت، غلام، اونٹ، گھوڑے، مکانات اور باغات ہر شے کی فراوانی تھی اس لیے حضرت خالدؓ نے بڑے ناز و نعمت کے ساتھ پرورش پائی۔ جوان ہوئے تو فکر معاش سے بے نیاز تھے۔ قدرت نے انہیں سیف اللہ بننے کے لیے پیدا کیا تھا اس لیے عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوئے اور ایسے مشاغل اختیار کیے جو صحت مندی، قوت، جرأت، ہمت، دلیری، محنت اور جفاکشی کے متقاضی تھے۔ ان مشاغل کی تفصیل یہ ہے:

(۱) مُصارَعَۃ یعنی کشتی لڑنا۔ حضرت خالدؓ خوب کسرت کیا کرتے تھے اور اپنے ہم عمر نوجوانوں سے کشتی کے مقابلے کیا کرتے تھے۔

(۲) گھوڑے سدھانا۔ ان کی نگہداشت کرنا، گھڑ دوڑ کے مقابلوں میں حصہ لینا اور (ایک اچھا شہسوار بننے کے لیے) زیادہ سے زیادہ گھوڑے کی سواری کرنا۔

(۳) جنگی کیمپ (القبہ) کے انتظام میں حصہ لینا۔

(۴) فنونِ سپہ گری سیکھنا (شمشیر زنی، نیزہ بازی، قدر اندازی وغیرہ)

یہ عسکری تربیت انہوں نے کسی درس گاہ میں نہیں بلکہ کھلے میدانوں اور سنگلاخ گھاٹیوں میں حاصل کی۔ آزمودہ کار بڑے بوڑھوں کی رہنمائی اور قوم کی عسکری روایات ان کی استاد تھیں۔

فطری طور پر بھی نہایت ذہین و فطین، پھرتیلے، شجاع اور نڈر تھے۔ نگاہیں عقاب کی تھیں اور دل شیر کا۔ کسی مشکل اور خطرے کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مبدء فیض نے انہیں جنگی دل و دماغ عطا کیا تھا، خاندانی روایات نے ان کی فطری صلاحیتوں کو اور بھی چمکا دیا اور وہ ایسے زبردست جنگی ماہر اور عظیم سپہ سالار بنے کہ تاریخ عالم میں شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کر لی۔ والد کی وفات کے بعد القبّہ اور الاعنّۃ کی ذمے داری اور قیادت انہی کے سپرد ہوئی اور اسے انہوں نے

نہایت عمدگی سے انجام دیا۔ والد نے بہت بڑی جائداد چھوڑی تھی اس لیے انہیں اور ان کے بھائیوں کو روزی کمانے کے لیے تگ و دو کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارتی کاروبار بھی وہ اپنے ملازموں کے ذریعے کرتے تھے۔قریش کے بہت سے رؤسا اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ دور دراز (شام مصر وغیرہ) کا سفر کرتے رہتے تھے لیکن حضرت خالدؓ کو تجارت کے سلسلے میں مکہ سے باہر نکلنے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی۔

سرورِ عالم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت خالدؓ کے ایک سعادت مند بھائی ولیدؓ بن ولید نے اس پر اوائل بعثت میں (یا بروایت دیگر غزوۂ بدر کے فوراً بعد) لبیک کہا لیکن حضرت خالدؓ نے اپنے والد کی پیروی اختیار کی اور دوسرے مشرکین کے ساتھ مل کر اسلام کی مخالفت پر کمر باندھی تاہم انہوں نے حضورؐ کو ستانے کے لیے کوئی کمینہ اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت کبھی نہ کی۔ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ اور والد کی وفات کے بعد بھی وہ سات سال سے زیادہ عرصہ تک مشرکین کا ساتھ دیتے رہے۔غزوۂ بدر (۲ ہجری) میں مشرکین کے لشکر میں شامل تھے لیکن کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا۔ غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں مکہ کے شہسوار دستے کی قیادت کررہے تھے۔ کوہِ اُحد کے درہ عینین پر حضورؐ نے پچاس تیر انداز اس غرض سے متعین فرمائے تھے کہ کفار اس درّے میں سے گزر کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہ کرسکیں۔ لڑائی کے پہلے دور میں کفار کو شکست ہوئی اور درّہ پر متعین بیشتر تیر اندازوں نے (حضورؐ کی ہدایت کے خلاف) اپنی جگہ چھوڑ دی تو خالدؓ کی عقابی نگاہوں نے مسلمانوں کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور اپنے دستہ کو ساتھ لے کر اس درّہ کے راستے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

غزوۂ احزاب (۵ ہجری) میں خالد مکہ کے ان شہسواروں میں سے تھے، جو سارا دن خندق کے کنارے کنارے گشت کرتے رہتے تھے کہ اگر خندق کا کوئی حصہ کمزور ہو یا مسلمان غافل ہوں تو وہ خندق عبور کر کے مسلمانوں پر اچانک حملہ کرسکیں لیکن مسلمانوں کی مستعدی نے ان کو اس کا موقع نہ دیا۔ جب دو تین ہفتوں کے بعد کفار کے لشکر میں عام بھگدڑ مچی تو انہوں نے خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص سے کہا کہ وہ ان کے عقب کی حفاظت کریں۔ چنانچہ وہ دونوں دو سو سواروں کے ساتھ بطور ساقہ لشکر کفار کے پیچھے پیچھے رہے تاکہ مسلمان حملہ کریں تو ان کا مقابلہ کرسکیں۔

۶ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ نے چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ کعبہ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ کا عزم فرمایا۔ کفار کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے خالدؓ بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ مسلمانوں کو روکنے (یا مزید تحقیق) کے لیے مکہ سے روانہ کیا۔ وہ کراغ الغمیم کے مقام پر پہنچے تو حضورؐ کو ان کی نقل وحرکت کی اطلاع مل گئی۔ چونکہ آپؐ کا ارادہ لڑنے کا نہ تھا اس لیے راستہ تبدیل کر کے حدیبیہ پہنچ گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔

صلح حدیبیہ کے اگلے سال (۷ ہجری میں) جب معاہدے کے مطابق سرورِ عالم ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ عمرۃ القضا کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوئے تو خالدؓ بن ولید مکہ کے بیشتر لوگوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل گئے کیونکہ وہ مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے کا منظر دیکھنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ مکہ میں سہ روزہ قیام کے دوران میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت خالدؓ کے حقیقی بھائی ولیدؓ بن ولید سے (جو بڑے مخلص مسلمان تھے) فرمایا۔ ''افسوس خالد میرے پاس نہیں آیا اگر وہ آتا تو ہم اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے۔ خالد جیسے شخص کو تو اسلام سے دور نہیں رہنا چاہیے۔'' ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے حضرت خالدؓ کے قبول اسلام کے لیے دعا بھی فرمائی۔

حضرت ولیدؓ اپنے بھائی کے سچے خیر خواہ تھے انہوں نے مدینہ واپس جا کر حضرت خالدؓ کو یہ خط لکھا:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے تعجب ہے کہ تم اسلام کے اس قدر خلاف کیوں ہو حالانکہ تم جیسا دانا اور زیرک شخص اسلام کی حقانیت سے بے خبر نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمہارے بارے میں دریافت کیا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ خالد کو اللہ ہی لائے تو لائے۔ آپؐ نے فرمایا، خالد جیسا (زیرک) آدمی اسلام کی حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے نبرد آزما ہوتا تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہوتا، اے بھائی تم بہت عرصہ تک گمراہ رہ چکے ہو۔ اب حق کو پہچانو اور اسلام کا دامن تھام لو۔''

اس خط نے حضرت خالدؓ کو اسلام کی طرف مائل کر دیا اور وہ چند دن کے بعد آستانۂ رسالت پر حاضر ہو کر مشرف بہ ایمان ہو گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے خود اپنے قبول اسلام کی سرگزشت اس طرح بیان کی ہے:

''ولید کے خط نے میرے دل پر پڑے ہوئے ظلمت کے پردے چاک کر دیے اور میں اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس نے مجھے بے حد مسرور کیا اور میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ میں نے انہی ایام میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک تنگ اور ویران جگہ سے نکل کر ایک وسیع شاداب اور پر بہار میدان میں آ گیا ہوں۔ (یہ خواب دیکھنے کے بعد) جب میں مدینہ جانے کے لیے بالکل تیار ہو گیا تو پہلے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل سے ملا اور ان سے کہا کہ محمد (ﷺ) کو عرب اور عجم پر غلبہ حاصل ہو رہا ہے، اگر ہم بھی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں تو جو مرتبہ اور مقام ان کو ملنے والا ہے ہم بھی اس میں حصہ دار بن جائیں گے۔ ان دونوں نے میری بات ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر میں اپنے دوست عثمان بن طلحہ سے ملا اور اس سے کہا، عثمان ہمارا حال اس لومڑی کی طرح ہے جو اپنے بھٹ میں چھپی بیٹھی ہے، اگر اس بھٹ میں پانی چھوڑ دیا جائے تو وہ بھٹ سے نکلنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آ جائیں گے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ یہ وقت آنے سے پہلے ہم حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں۔

میں نے یہ باتیں عثمان سے بڑے تذبذب کے بعد کہی تھیں کیونکہ اس کا باپ اور چار بھائی جنگ اُحد میں مارے جا چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی صفوان اور عکرمہ کی طرح میری بات نہیں مانے گا، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب عثمان نے بلا تامل میری تجویز مان لی۔ اگلے دن ہم دونوں علی الصباح عازم مدینہ ہو گئے۔ ''ہدہ'' کے مقام پر ہماری ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی، جو حبشہ سے آ رہے تھے انہوں نے مجھ سے کہا، ابوسلیمان کدھر کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم خوب پانسہ پڑا، مجھے یقین ہو گیا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور میں اسلام قبول کرنے کے لیے ان کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہم اکٹھے مدینہ پہنچے، رسول اللہ ﷺ کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں سے فرمایا، مکہ نے اپنے جگر

کے ٹکڑے تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔ میں نے نئے کپڑے پہنے اور کاشانۂ رسالت کی طرف روانہ ہوا، راستے میں مجھ کو میرا بھائی (ولید) ملا۔ اس نے کہا، جلدی چلو رسول اللہ ﷺ تمہارے آنے سے بہت خوش ہیں اور تمہارا انتظار فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ہم سب عجلت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ہمیں دیکھا تو متبسم ہوگئے۔ میں نے قریب پہنچ کر سلام کیا، آپؐ نے بڑی گرم جوشی سے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت نصیب کی۔ مجھے یہی امید تھی کہ تمہاری فراست ایک دن ضرور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے گی۔

میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول، مجھ سے کئی بار آپؐ کے خلاف لڑنے کا گناہ سرزد ہو چکا ہے آپؐ اللہ سے میرے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کالعدم کر دیتا ہے۔ میں نے (حیرت سے) کہا، واقعی یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا، ہاں۔

اس کے بعد آپؐ نے دعا کی، الٰہی خالد سے ماضی میں تیرے دین کی مخالفت کرنے میں جو لغزشیں سرزد ہوئیں ان کو معاف فرما۔

میرے بعد عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔''

حضرت خالدؓ بن ولید نے قبولِ اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ اس طرح انہیں ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ یہ واقعہ فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے کا ہے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں شرف ایمان سے بہرہ ور ہو چکا تو حضورؐ نے سکونت کے لیے مجھے ایک مکان عنایت فرمایا۔

(۴)

مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے اور انہوں نے اپنی شمشیرِ خاراشگاف سے ہر میدان میں طاغوتی قوتوں کو خاک نامرادی چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ سب سے پہلا معرکہ جس میں حضرت خالدؓ کی تلوار کفار کے خلاف بے نیام

ہوئی، غزوۂ موتہ تھا، جوان کے قبول اسلام کے دو ماہ بعد پیش آیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے سلاطین و امرا کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ایک تبلیغی خط حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ بصریٰ کے حکمران کے پاس بھی بھیجا۔ حضرت حارثؓ موتہ کے مقام پر پہنچے تو بلقاء کے رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے ان کا انتقام لینے کے لیے جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں تین ہزار فوج حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ فرمائی اور اس کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمائی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب سپہ سالار ہوں گے، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ انصاری امیر لشکر ہوں گے۔

حضرت خالدؓ بن ولید اس لشکر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوگئے۔ حاکم بصریٰ کو مسلمانوں کی آمد کا پتہ چلا تو اس نے مقابلے کے لیے اپنے حلیف قبائل کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ اتفاق سے قیصرِ روم بھی اسی علاقے میں مواب کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ اس نے ہزاروں رومی جنگجو حاکم بصریٰ کی مدد کے لیے بھیج دیے۔ اس طرح دشمن کی تعداد ڈیڑھ دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ مسلمانوں اور دشمن کی فوج میں ایک اور ساٹھ (بروایت دیگر ایک اور تراسی) کی نسبت تھی لیکن اس کے باوجود مسلمان اللہ کے بھروسے پر اس طاغوتی قوت سے ٹکرا گئے۔

موتہ کے میدان میں فریقین کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی، جس میں حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ یکے بعد دیگرے نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید نے فوج کی کمان سنبھالی اور اپنی بے مثال شجاعت اور عسکری قابلیت کی بدولت مسلمانوں کو دشمن کی زد سے نکال لائے۔ اگرچہ دشمن کی کثیر تعداد اور ساز و سامان کی بنا پر (اور اس وجہ سے بھی کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور تھے) اس کو زیر نہ کیا جا سکا لیکن تین ہزار کی مختصر فوج کا دشمن کے ٹڈی دل سے بچ جانا بھی فی الحقیقت مسلمانوں کی کامیابی تھی۔ (ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے دشمن کے بے شمار آدمی ہلاک کر کے اس کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا)۔ اس خونریز معرکے میں مسلمانوں کے صرف بارہ آدمی شہید ہوئے جب کہ دشمن کے سینکڑوں آدمی کھیت رہے۔

تمام اربابِ سیر و مغازی نے یہ روایت تواتر کے ساتھ نقل کی ہے کہ جس وقت مسلمان

مؤتہ کے میدان میں موت اور زندگی کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی ایک جماعت کے درمیان مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ یکایک آپؐ نے فرمایا:

''زیدؓ نے نشان لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ اب جعفرؓ نے علم سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب عبداللہ بن رواحہؓ نے نشان لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ اب اس شخص نے علم ہاتھ میں لیا ہے، جو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔''

ایک اور روایت میں حضورؐ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

''اُن (زیدؓ، جعفرؓ اور عبداللہؓ) کے بعد خالدؓ بن ولید نے علم سنبھالا۔ اے اللہ وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اس کی مدد فرما۔''

اس دن سے حضرت خالدؓ کا لقب سیف اللہ (اللہ کی تلوار) پڑ گیا۔

حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ غزوۂ مؤتہ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، صرف ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی۔

غزوۂ مؤتہ کے وقت میدانِ جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے کر دیا گیا تھا یا آپؐ کو وحی کے ذریعے تمام حالات کی اطلاع دی گئی تھی، صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اس بات پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے کہ مجاہدین کے مدینہ واپس آنے سے کافی دن پہلے حضورؐ نے حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر صحابہؓ کو دے دی تھی اور حضرت خالد بن ولید کی غیر معمولی کارکردگی کا تذکرہ بھی کر دیا تھا اس واقعے کو حضورؐ کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۵)

رمضان المبارک ۸ ہجری میں حضرت خالدؓ بن ولید کو اُن دس ہزار قدسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے اور جن کا ذکر صدیوں پہلے توریت (کتاب استثنا) میں یوں کیا گیا تھا۔

''خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکار ا ہوا اور کوہِ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں، ان کے لیے آتشیں (نورانی) شریعت تھی۔''

سرورِ عالم ﷺ نے مدینہ منورہ سے چلتے وقت حضرت خالدؓ کو لشکر اسلام کے میمنہ کا افسر مقرر فرمایا۔ اس میں سُلیم، مزینہ، اسلم، غفار، جہینہ وغیرہ عرب قبائل شامل تھے۔ حضورؐ حرم مقدس میں خونریزی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ نے اپنے تمام جاں نثاروں کو حکم دیا تھا کہ جب تک کفار ان کی مزاحمت نہ کریں وہ کسی پر تلوار نہ اٹھائیں۔ مشرکین مکہ کو اجتماعی طور پر تو مسلمانوں کی مزاحمت کرنے کی ہمت نہ پڑی البتہ عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ نے قبیلہ بنی بکر اور احابیش کے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے اس دستے پر حملہ کر دیا (اس پر تیر برسانے شروع کر دیے) جو حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مکہ کے بالائی حصہ کی جانب سے شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کو مجبوراً تلوار بے نیام کرنی پڑی۔ انہوں نے مشرکین کی بری طرح پٹائی کی، یہاں تک کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جھڑپ میں ان کے اٹھائیس آدمی مارے گئے (ان میں سے ۲۴ قریش سے تھے اور چار قبیلہ ہذیل کے) اور مسلمانوں کے دو (یا بروایت دیگر تین) آدمی شہید ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شہادت پانے والے دو مسلمان حضرت کُرز بن جابر فہریؓ اور حبیش الاشعرؓ حضرت خالدؓ کے دستے سے بچھڑ کر کسی دوسرے راستے پر جا پڑے تھے مشرکین نے انہیں تنہا پا کر شہید کر ڈالا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت خالدؓ سے باز پرس کی۔ انہوں نے عرض کی، ''یا رسول اللہ پہلے ان لوگوں نے ہم پر حملہ کیا ہم نے اپنی مدافعت کے لیے اس کا جواب دیا۔''

حضورؐ نے فرمایا ''خیر جو اللہ کی مرضی۔''

فتح مکہ کے پانچ دن بعد سرورِ عالم ﷺ نے حضرت خالدؓ کو تیس سوار دے کر وادیِ نخلہ میں قریش کے ایک بڑے بُت ''العُزّیٰ'' کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ قریش کنانہ اور مضر وغیرہ قبائل اس بت کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ عزّیٰ کے معبد کا انتظام بنوشیبان کے سپرد تھا اور یہ مکہ سے دس میل دور ایک باغ (بستانِ عامر) میں واقع تھا۔ اس باغ کی نسبت سے یہ وادی نخلہ کے نام سے مشہور تھی۔ حضرت خالدؓ نے ۲۵ رمضان ۸ ہجری کو وہاں پہنچ کر عزّیٰ (اور اس کے معبد) کو منہدم کر دیا۔ وہاں سے مکہ واپس آئے تو حضورؐ نے تین سو پچاس صحابہؓ کے ساتھ دعوتِ اسلام کی غرض سے بنوجذیمہ کی طرف بھیجا۔ یہ بنوکنانہ کی ایک شاخ تھے جو یلملم کی جانب

مکہ سے ایک دن کی مسافت پر آباد تھے۔ حضرت خالدؓ نے حضورؐ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان میں سے کچھ آدمی ناواقفیت کی وجہ سے صحیح الفاظ میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اَسْلَمْنَا (ہم اسلام لائے) کے بجائے ''صبانا'' (یعنی ہم نے دین تبدیل کرلیا ہے) کہا۔ اس سے فی الحقیقت ان کی مراد یہ تھی کہ ہم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین (اسلام) قبول کرلیا ہے۔ چونکہ مشرکین قریش مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے اس لیے بنوجذیمہ کے ان لوگوں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار اپنے آپ کو ''صابی'' کہہ کر کیا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ اپنے بے دین ہونے کا اظہار کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کو قتل کرا دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت خالدؓ نے بنوجذیمہ کے تمام لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا اور پھر ان کے قتل کا حکم دیا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوقتادہؓ اور بہت سے دوسرے صحابہؓ نے اپنے قیدی چھوڑ دیے البتہ بنوسلیم نے اپنے قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔

سرورِ عالم ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپؐ کو بہت افسوس ہوا اور آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمایا، ''اے اللہ، خالدؓ بن ولید نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔'' پھر آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان سب کی دیت (خون بہا) دے کر بھیجا۔ وہ بنوجذیمہ کے پاس گئے اور جتنے لوگ قتل ہوئے تھے ان سب کا خون بہا ادا کیا حتیٰ کہ اگر کسی کا کتا بھی مارا گیا تھا تو اس کا بھی معاوضہ دیا۔ اس کے بعد جتنا مال بچ رہا وہ ویسے ہی (تالیفِ قلب کے طور پر) ان لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

سریۂ بنوجذیمہ کے بعد شوال ۸ ہجری میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس میں حضرت خالدؓ بن ولید لشکرِ اسلام کے مقدمۃ الجیش کی قیادت کر رہے تھے، جو بنوسلیم کے سو سواروں پر مشتمل تھا۔ بنوہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اس شدت سے تیر برسائے کہ ان میں انتشار پھیل گیا لیکن جلد ہی سنبھل کر انہوں نے اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ بنوہوازن اور ان کے ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس لڑائی میں سربکف ہو کر لڑے اور کئی زخم کھائے۔ لڑائی ختم ہوئی تو سرورِ عالم ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ان کے زخموں پر دَم کیا اور وہ جلد شفایاب ہو گئے۔

ابن برہان الدین حلبیؒ نے ''السیرۃ الحلبیہ'' میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے حضرت خالدؓ کے ساتھیوں کو ان کی تیمارداری کے بارے میں مختلف ہدایات دیں۔

غزوۂ حنین کے بعد سرورِ عالم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو اس موقع پر بھی آپؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اسلامی لشکر کے مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا۔ اثنائے محاصرہ میں حضرت خالدؓ نے کئی بار محصور مشرکین کو دعوتِ مبارزت دی لیکن کسی کو ان کے مقابلے پر آنے کی ہمت نہ پڑی۔ تقریباً ایک ماہ کے بعد حضورؐ نے بعض وجوہ کی بنا پر محاصرہ اٹھالیا۔

۹ ہجری کے اوائل میں حضورؐ کو اطلاع ملی کہ بنومصطلق، جو دو سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، مرتد ہوگئے ہیں اور لڑنے پر تیار ہیں۔ حضورؐ نے ان کی تادیب کے لیے حضرت خالدؓ بن ولید کو روانہ کیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ ان پر حملہ کرنے سے پہلے اس بات کی اچھی طرح چھان بین کرلیں کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں اگر معلوم ہو کہ نماز پڑھتے ہیں تو پھر ان کو نہ چھیڑا جائے۔ حضرت خالدؓ اپنی جمعیت کے ساتھ بنومصطلق کی بستی کے قریب پہنچے تو رات ہوچکی تھی۔ انہوں نے اپنے چند آدمی بنومصطلق کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجے۔ ان لوگوں نے واپس آ کر خبر دی کہ تمام قبیلہ اسلام پر قائم ہے۔ یہ لوگ باقاعدہ اذانیں دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ صبح کے وقت حضرت خالدؓ بستی میں داخل ہوئے تو بنومصطلق نے ان کا پرتپاک خیرمقدم کیا اور بہت خاطر مدارات کی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور واپس آ کر حضورؐ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔

رجب ۹ ہجری میں سرورِ عالم ﷺ رومیوں کے امکانی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک تشریف لے گئے۔ اس طویل پرصعوبت سفر میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ تبوک پہنچ کر آپؐ نے کسی رومی لشکر کو وہاں موجود نہ پایا تاہم آپؐ نے احتیاطاً بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں حضورؐ نے اردگرد کے عیسائی رئیسوں کو مطیع بنانے پر توجہ کی۔ یہ لوگ قیصرِ روم کے باجگزار تھے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں رومیوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ایلہ اور اذرح کے رئیسوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اطاعت قبول کرلی۔ صرف دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر بن عبدالملک نصرانی باقی رہ گیا۔ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سے کچھ زیادہ آدمی دے کر اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سے کچھ زیادہ آدمی دے کر اس کو مطیع بنانے پر مامور فرمایا۔ حضرت خالدؓ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اکیدر اپنے بھائی حسان اور بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ شکار پر نکلا ہوا تھا۔ جنگل ہی میں ان لوگوں کی مڈبھیڑ حضرت خالدؓ سے ہوگئی۔ حسان لڑائی میں مارا گیا اور اکیدر کو حضرت خالدؓ نے گرفتار کرلیا۔ باقی لوگوں نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی۔ اکیدر نے پیش کش کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر جزیہ دینا قبول کرلے گا اور آپؐ کی خدمت میں دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے پیش کرے گا۔ حضرت خالدؓ نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ چنانچہ اکیدر اور اس کا دوسرا بھائی مصاد یہ چیزیں لے کر تبوک پہنچے جہاں حضورؐ ابھی تک قیام پذیر تھے۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے اطاعت قبول کر لی اور ہدیہ پیش کیا۔ حضورؐ نے جزیہ قبول فرما کر اس کو جان و مال کا تحریری امان نامہ عطا فرمایا۔ اس طرح وہ دومۃ الجندل کی حکومت پر اسلامی مملکت کے ایک باجگزار رئیس کی حیثیت سے بحال ہوگیا۔

۱۰ھ میں سرورِ عالم ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو چار سو سوار دے کر دعوتِ اسلام کے لیے بنو عبدالمدان کی طرف نجران بھیجا۔ یہ قبیلہ بنو حارث بن کعب کی ایک شاخ تھا۔ حضرت خالدؓ مدینہ سے چلنے لگے تو حضورؐ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو تین بار اسلام کی دعوت دینا اگر وہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو وہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر ان کو احکام اسلام کی تعلیم دینا اور اگر وہ سرکشی اختیار کریں تو پھر تم کو لڑنے کا اختیار ہے۔ حضرت خالدؓ نے نجران پہنچ کر بنو عبدالمدان کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا اور ان کے ہاتھ پر مشرف بہ ایمان ہوگئے۔ حضورؐ کے حکم کے مطابق حضرت خالدؓ وہیں ٹھہر گئے اور ان کو قرآن و سنت اور احکام و مسائل کی تعلیم دینے میں مشغول ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے ایک خط میں تمام حالات حضورؐ کو لکھ بھیجے۔ آپؐ نے جواب میں لکھا کہ بنو عبدالمدان (بنو حارث) کا ایک وفد ساتھ لے کر مدینہ آؤ۔ چنانچہ حضرت خالدؓ ان لوگوں کا ایک وفد ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور اس وفد کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ یہ لوگ حضورؐ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کر کے وطن واپس گئے۔

ابن جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ ۱۰ ہجری میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغِ اسلام کے لیے یمن بھیجا۔ وہ وہاں چھ ماہ تک مقیم رہ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے

لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا، اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ کیا۔ ان کی تبلیغ سے یمن کے اکثر لوگ تھوڑے ہی دنوں میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

ابن سعدؒ اور ابن ہشامؒ نے اس واقعے کو اور انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی امارت میں ایک سریہ یمن بھیجا۔ دوسری جانب سے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی ایک لشکر دے کر بھیجا اور فرمایا کہ جب تم علیؓ سے ملو تو سارے (متحدہ) لشکر کے امیر علیؓ ہوں گے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہاری طرف سے حملہ کرنے میں پہل نہ ہو ہاں اگر اہل یمن تم پر حملہ کریں تو تم اپنی مدافعت کر سکتے ہو۔ حضرت علیؓ اور حضرت خالدؓ یمن پہنچے تو دعوتِ اسلام کے جواب میں اہلِ یمن نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر برسائے۔ اہل حق نے ایک ہی جھڑپ میں ان کو پسپا کر دیا لیکن ان پر کوئی سختی نہیں کی اور دوبارہ ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس مرتبہ وہ برضا و رغبت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

مصری مؤرّخ ابوزید شلبی نے اپنی کتاب ''خالدؓ سیف اللہ'' میں طبری کی روایت پر تنقید کی ہے اور اس کو عقل اور تاریخ دونوں لحاظ سے نا قابل قبول قرار دیا ہے۔

اسی سال (۱۰ ہجری) میں حضرت خالدؓ کو حجۃ الوداع میں سرورِ عالم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ نے اپنی کتاب ''بذل القوۃ'' میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ۱۱ ہجری میں بھی (اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے) حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں ایک سریہ بنوخثعم کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ اسلام کا اظہار کرنے کی بجائے سجدے میں گر گئے۔ حضرت خالدؓ (اُن کا مطلب نہیں سمجھ پائے اس لیے) ان (میں سے بعض) کو قتل کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے مقتولوں کی نصف دیت ادا فرمائی۔

(۶)

سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو جھوٹے مدعیان نبوت کے پیروؤں اور مرتدین نے سارے عرب میں شورش برپا کر دی ان میں تین قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو کسی مدعیِ نبوت کے معتقد ہو کر اسلام سے بالکل پھر گئے تھے،

دوسرے وہ جو نماز اور زکوٰۃ میں کمی اور معافی کے طالب تھے، تیسرے وہ جو صرف زکوٰۃ کے انکاری تھے اور اس کو خراج سمجھ کر اپنی آزادی کے خلاف تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں گروہوں کے خلاف جہاد کے لیے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کا سینہ کشادہ کر دیا۔ فی الحقیقت ایسے پُر آشوب اور انتہائی نازک حالات میں صدّیق اکبرؓ جیسے کامل الایمان صاحبِ عزیمت و استقامت اور نڈر شخص ہی کی ضرورت تھی انہوں نے کسی قیمت پر بھی مرتدین کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ بعض صحابۂ کرامؓ نے صورتِ حالات کی نزاکت کے پیش نظر ان کو تیسرے گروہ (زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں) کے ساتھ نرمی کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے فرمایا:

> ''(رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد) وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ دین کمال کو پہنچ چکا، کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کی جائے گی؟ خدا کی قسم اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی جو لوگ انکار کریں گے، میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔''

اور پھر واقعی انہوں نے جو فرمایا تھا اسے کر دکھایا۔ اُن کی قوتِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ان نازک حالات میں بھی حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو سات سو صحابہؓ کی معیت میں سرحد شام کی طرف (رومیوں سے غزوۂ مؤتہ کا بدلہ لینے کے لیے) روانہ کر دیا۔ جب اُن کو مشورہ دیا گیا کہ موجودہ حالات میں صحابہؓ کی اتنی تعداد کو مدینہ منورہ سے باہر بھیجنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو انہوں نے فرمایا:

> ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اُسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں میرے سوا ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی جیش اسامہ کو روانگی کا حکم ضرور دیتا۔''

جیش اسامہؓ کی روانگی کے بعد بنو اسد، فزارہ، غطفان، ثعلبہ، مرّہ، عبس، کنانہ اور ذبیان کے مرتد قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کے ایک حصے نے ابرق میں پڑاؤ ڈالا اور دوسرے نے ذوالقصہ میں۔ یہ دونوں مقام مدینہ کے نواح میں تھے۔ مرتدین نے ذوالقصہ سے ایک وفد حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی خدمت میں زکوٰۃ سے معافی کے لیے بھیجا لیکن

خلیفۃؓ الرسولؐ نے اس کو صاف جواب دے دیا وفد کی واپسی کے تیسرے دن مرتدین نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اہل مدینہ کی ایک جمعیت کو ساتھ لے ان کا بڑے عزم وثبات کے ساتھ مقابلہ کیا اور انھیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے ذی حسیٰ تک چلے گئے جہاں مرتدین اپنے بہت سے آدمیوں کو چھوڑ آئے تھے۔ ان لوگوں نے مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی۔ تعاقب کرنے والے شتر سوار مسلمان پہنچے تو انہوں نے مشکیں اونٹوں کے سامنے لڑھکا دیں اور ساتھ ہی اچھل کود کر دف باجے ڈھول وغیرہ بجانے لگے، اس سے اونٹ بھڑک اٹھے اور پیچھے کو بھاگے۔ مرتدین نے سمجھا کہ مسلمان بھاگ گئے۔ انہوں نے ذی حسیٰ کی پشت پر ذوالقصہ میں مقیم اپنے ساتھیوں کو بھی آگے بلا لیا اور پھر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگے۔ اُدھر حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے شتر سواروں کے مدینہ واپس آتے ہی دوسرے حملے کا انتظام کیا اور راتوں رات کوچ کر کے علی الصباح مرتدین پر چھاپہ جا مارا۔ سردارِ لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا بھائی تھا) مارا گیا اور باقی لشکر بدحواس ہو کر بھاگ اٹھا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا اور پھر حضرت نعمانؓ بن مقرّن کو کچھ فوج کے ساتھ وہاں چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد مرتدین بنو ذبیان اور عبس نے موقع پا کر بہت سے مسلمانوں کو نہایت سفا کی سے شہید کر ڈالا۔ (ایک روایت میں ہے کہ ان ظالموں نے مسلمانوں کے اعضا کاٹے اور ان کو زندہ آگ میں جلایا) حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو ان مظالم کی خبر ہوئی تو انہوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب تک مرتدین سے مسلمانوں کا انتقام نہ لے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا۔ اسی اثنا میں حضرت اسامہ بن زیدؓ اپنی مہم میں کامیاب ہو کر مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود ایک لشکر کے ساتھ مرتدین کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ ابرق کے مقام پر عبس، ذبیان بکر اور ثعلبہ کے مرتدین ان کے مقابل ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کو شکست فاش دی اور ابرق سے بھگا دیا۔ خلیفۃؓ الرسول کے حکم کے مطابق ابرق کو (جو بنو ذبیان کا مسکن تھا) مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔

مدینہ واپس آ کر حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے عرب کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مرتدین کے مکمل استیصال کے لیے عام فوج کشی کی تیاری کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے

گیارہ لشکر مرتب فرمائے اور ان میں سے ہر لشکر کو مختلف علاقوں کے مرتدوں اور باغیوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی ایک لشکر کے امیر مقرر ہوئے اور ان کو طلیحہ بن خویلد اسدی اور اس کے بعد مالک بن نویرہ بطاحی کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔(۱) حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ بزاخہ کی طرف بڑھے جو طلیحہ بن خویلد کا مستقر تھا۔ یہ شخص بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھا اور شجاعانِ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے عہدِ رسالت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حجۃ الوداع کے بعد اس کے دماغ میں فتور پیدا ہوا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنو اسد اور بعض دوسرے قبائل کے بہت سے لوگ اس کے معتقد بن گئے۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت ضرارؓ بن ازور کو طلیحہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت ضرارؓ نے ''واردات'' کے مقام پر طلیحہ کو شکست فاش دی۔ دورانِ جنگ میں ایک موقع پر طلیحہ حضرت ضرارؓ کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ بچ گیا۔ اس پر اس کے معتقدین میں (شکست کھانے کے باوجود) مشہور ہو گیا کہ طلیحہ

---

(۱) دوسرے دس لشکروں کی تفصیل اس طرح ہے:

۱- حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر
۲- حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کو حضرت عکرمہؓ کی امداد اور اس کے بعد کندہ اور حضر موت کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔
۳- حضرت عمرو بن العاصؓ کو مرتدین قضاعہ کی سرکوبی پر۔
۴- حضرت خالد بن سعیدؓ کو سرحد شام کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔
۵- حضرت حذیفہؓ بن محصن کو مرتدین دبا کی سرکوبی پر۔
۶- حضرت طریفہؓ بن حاجز کو بنو سلیم اور بنو ہوازن کے مرتدین کی سرکوبی پر۔
۷- حضرت سویدؓ بن مقرن کو اہلِ تہامہ (یمن) کی سرکوبی پر۔
۸- حضرت علاءؓ حضرمی کو بحرین کے مرتدوں کی سرکوبی پر۔
۹- حضرت عرفجہؓ بن ہرثمہ کو مرتدین مہرہ کی سرکوبی پر۔
۱۰- حضرت مہاجرؓ بن امیہ کو اسود عنسی کے پیروؤں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

ان لشکروں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قاصدوں کے ذریعے ایک اعلان تمام مرتدوں کے پاس بھیج دیا، جس میں ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ سرکشی سے باز آ جائیں اور احکام اسلام کی پابندی اختیار کریں تو ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا ہر سپہ سالار کو بھی چلتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک فرمان دیا جس میں ان کو مختلف ہدایات دی گئی تھیں مثلاً خدا سے ڈرتے رہو، گناہوں سے بچو، نیک کام کرو، جہاں پہنچو اذان دو۔ جواب میں اگر وہاں کے لوگ بھی اذان دیں تو ان پر حملہ نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ بغیر اتمام حجت کسی پر ہتھیار نہ اٹھاؤ۔

کے جسم پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ اُدھر سرورِ عالم ﷺ کا وصال ہو گیا اور حضرت ضرارؓ بن ازور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ان کی واپسی کے بعد طلیحہ کا زور پھر بڑھ گیا اور اسد، عبس، غطفان، ذبیان اور طے کے قبائل اس کے ساتھ ہو گئے، البتہ طے کے سردار حضرت عدیؓ بن حاتم اسلام پر قائم رہے۔ انہوں نے مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے قبیلے کی گمراہی سے آگاہ کیا تو انہوں نے حضرت خالدؓ کی روانگی سے پہلے حضرت عدیؓ کو ان کے قبیلے میں بھیج دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو سمجھا بجھا کر اسلام میں واپس لانے کی کوشش کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ خالدؓ ان کو تباہ و برباد کر دیں۔

حضرت عدیؓ نے اپنے قبیلے میں پہنچ کر سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کو فہمائش کی کہ اسلامی لشکر یہاں آیا ہی چاہتا ہے بہتر یہ ہے کہ تم اس کی آمد سے پہلے اسلام میں واپس آ جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ان لوگوں نے کچھ ردّ و قدح کے بعد حضرت عدیؓ کی بات مان لی اور وعدۂ اطاعت کے ساتھ ان سے درخواست کی کہ ہم کو تین دن کی مہلت دی جائے تا کہ ہم اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو طلیحہ کے لشکر میں شامل ہیں، واپس لے آئیں ورنہ اس وقت ہمارے اعلان اطاعت کی مصیبت اُن پر پڑے گی، طلیحہ ان کو مروا ڈالے گا یا قید میں ڈال دے گا۔ حضرت عدیؓ ان کے کہنے کے مطابق حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان کو تین دن تک بنو طے کی طرف آنے سے روک دیا۔ اس اثنا میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے ساتھیوں کو طلیحہ کے لشکر سے کوئی حیلہ بنا کر واپس لے آئے اور پھر سب دوبارہ مسلمان ہو کر حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قبیلہ جدیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عدیؓ نے ان سے کہا، قبیلہ طے ایک پرندہ کی مانند ہے، جس کا ایک بازو (پر) جدیلہ ہے۔ آپ ذرا توقف کریں تا کہ میں ان کو بھی دوبارہ اسلام میں واپس لانے کی کوشش کروں، جس طرح قبیلہ طے کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے شاید ان کو بھی دے دے۔ حضرت خالدؓ نے حضرت عدیؓ کی درخواست بہ خوشی منظور کر لی۔ چنانچہ حضرت عدیؓ قبیلہ جدیلہ کے پاس گئے اور اپنی سعی بلیغ سے ان لوگوں کو بھی دوبارہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس طرح ان کے ایک ہزار سوار اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت عکاشہؓ بن محصن اور حضرت ثابتؓ بن اقرم

انصاری کو دشمن کی ٹوہ لینے کے لیے بزاخہ کی طرف بھیجا۔ اتفاق سے ان کو طلیحہ کا ایک بھائی مل گیا انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا (بعض روایتوں میں اس کا نام حبال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن کچھ دوسری روایتوں کے مطابق حبال اس وقت قتل ہوا جب مرتدین نے اس کی قیادت میں مدینہ منورہ پر حملہ کیا)۔ طلیحہ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے دوسرے بھائی سلمہ کو لے کر نکلا۔ سلمہ نے حضرت ثابتؓ کو اور طلیحہ نے حضرت عکاشہؓ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت خالدؓ پیش قدمی کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو ان دونوں کی لاشیں دیکھ کر قبیلہ طے میں واپس آ گئے کیوں کہ طلیحہ کے حالات معلوم کیے بغیر اس پر کاری ضرب نہیں لگائی جا سکتی تھی۔ چند دن وہاں قیام کے بعد انہوں نے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر لیا اور قبیلہ طے سے مزید مدد مانگی۔ انہوں نے کہا کہ بنوقیس کے مقابلے میں تو ہم آپ کو مزید مدد دے سکتے ہیں لیکن بنواسد سے آپ خود نبٹیں کیوں کہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔

حضرت عدیؓ بن حاتم کو اپنے قبیلے کی یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے کہا، خدا کی قسم میں تو بنواسد کے خلاف جہاد کرنے سے باز نہ رہوں گا جب وہ اسلام کے دشمن ہو گئے تو ہمارے حلیف کہاں رہے؟

حضرت خالدؓ لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے حضرت عدیؓ سے کہا، بنوقیس اور بنواسد کسی سے بھی لڑنا جہاد ہی ہے اس لیے تم اپنی قوم کی رائے کی مخالفت نہ کرو اور جس سے وہ خوشی کے ساتھ لڑنا چاہیں اسی کے مقابلے پر جاؤ۔

اب حضرت خالدؓ طلیحہ سے نبردآزما ہونے کے لیے بزاخہ کی طرف بڑھے۔ طلیحہ کے لشکر میں عیینہ بن حصن فزاری بھی بنوفزارہ کے سات سو مرتدین کے ساتھ شریک تھا۔ حضرت خالدؓ بزاخہ پہنچے تو عیینہ بن حصن اپنے قبیلے کے ساتھ ان کے مقابل ہوا اور فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ طلیحہ ایک طرف (لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے) وحی کے انتظار کے حیلہ سے چادر اوڑھ کر بیٹھ گیا۔ جب عیینہ نے اپنے لشکر میں کمزوری کے آثار پائے تو دوڑ کر طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا:

''جبریلؑ آئے یا نہیں؟''

اس نے کہا ''نہیں''

عیینہ یہ سن کر پھر لڑنے چلا گیا۔ جب مسلمانوں کا دباؤ اور بڑھ گیا تو دوبارہ طلیحہ کے

پاس آیا اور پوچھا، جبریلؑ آئے؟ طلیحہ نے کہا، ابھی تک نہیں آئے۔ عیینہ نے کہا، ہماری مصیبت انتہا کو پہنچ گئی، آخر جبریلؑ کب تک آئیں گے؟ یہ کہہ کر پھر میدانِ جنگ میں چلا گیا۔ اب مرتدین پر حضرت خالدؓ کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ان کو اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی۔ عیینہ تیسری مرتبہ دوڑا دوڑا طلیحہ کے پاس آیا اور پوچھا، اب بھی جبریلؑ آئے یا نہیں؟ طلیحہ نے کہا، ہاں آئے تھے۔

عیینہ نے کہا، کیا وحی لائے؟

طلیحہ نے کہا، وحی لائے کہ

"ان لک رحا کرحاہ وحدیثاً لا تنساء"

(یعنی تیرے پاس بھی اسی قسم کی چکّی ہے جیسی کہ مسلمانوں کے پاس ہے اور تیرا ذکر بھی ایسا ہے جسے تو کبھی نہیں بھولے گا۔ بالفاظ دیگر تمہیں بھی ویسا ہی معرکہ درپیش ہے جیسا مسلمانوں کو اور اس لڑائی کے واقعات تمہیں کبھی نہیں بھولیں گے۔)

عیینہ یہ سن کر غضب ناک ہو گیا اور کہا:

"قد علم اللّٰہ سیکوْن حدیثا لا تنساء"

(بے شک اللہ جان گیا کہ عنقریب ایسی بات ہونے والی ہے، جس کو تو کبھی نہ بھولے گا)۔

یہ کہہ کر وہ میدان جنگ میں آیا اور چلّا کر کہا:

"اے بنی فزارہ، خدا کی قسم طلیحہ نبی نہیں بلکہ محض ایک جھوٹا آدمی ہے۔ میں جا رہا ہوں تم بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لو اور اپنے قبیلے میں واپس جاؤ۔"

بنو فزارہ یہ آواز سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ باقی لوگوں میں سے کچھ شکست کھا کر بھاگے اور کچھ مسلمان ہو گئے۔ طلیحہ نے پہلے سے گھوڑا تیار کر رکھا تھا اس پر اپنی بیوی کے ساتھ سوار ہو کر بھاگا اور اپنے پیروؤں سے کہتا گیا کہ تم میں سے جو بھی اپنے اہل و عیال کو لے کر فرار ہو سکے وہ فرار ہو جائے۔ اس طرح دم کے دم میں میدان صاف ہو گیا۔ طلیحہ نے بنو کلب میں جا کر پناہ لی۔ بعد میں طلیحہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایرانیوں

کے خلاف متعدد لڑائیوں میں سرفروشانہ حصہ لے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ہی کسی معرکے میں وہ نہایت بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

(ے)

بزاخہ سے طلیحہ کا فرار بڑے دور رس نتائج کا حامل ثابت ہوا اور متعدد قبائل (بنو عامر بن صعصعہ، بنو سلیم، بنو ہوازن، بنو کعب وغیرہ) ارتداد سے توبہ کر کے دوبارہ اسلام کے دست و بازو بن گئے۔ درحقیقت ان قبائل کی نظریں طلیحہ کے انجام پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کون سا فریق غالب آتا ہے۔ طلیحہ کی شکست سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور انہوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت کا اظہار کیا اور اس حلفیہ عہد پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ انہی امور پر ہم اپنے اہل و عیال کی طرف سے بھی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے بیعت لے کر ان سب کو امن دے دیا۔

اسد، غطفان اور ان کے حامی قبائل کو توبہ کرنے پر حضرت خالدؓ نے اس شرط پر معافی دی کہ وہ اپنے اُن لوگوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں، جنہوں نے ارتداد کی حالت میں بہت سے مسلمانوں کو نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت خالدؓ کے سامنے حاضر کیے گئے۔ انہوں نے ان کو قتل کرا ڈالا، البتہ ان کے دو سرداروں قرۃ بن ہبیرہ اور عیینہ بن حصن فزاری کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بھی قتل کرا دیا اور بعض کے مطابق ان کو معافی دے دی۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے بزاخہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اس عرصے میں وہ امن و امان قائم کرنے اور زکوٰۃ جمع کرنے میں مصروف رہے۔ اسی دوران میں ان کو اطلاع ملی کہ بنو فزارہ کی ایک عورت اُمِ زمل سلمیٰ بنتِ مالک بن حذیفہ ایک جمعیت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری کر رہی ہے۔ یہ عورت عہد رسالتؐ میں گرفتار ہو کر مدینہ آئی تھی اور اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سفارش پر آزاد کر دی گئی تھی۔ وہ مسلمان ہو کر اپنے قبیلہ میں واپس گئی اور وہاں جا کر مرتد ہو گئی۔ طلیحہ کے شکست خوردہ لشکر کے کچھ لوگوں نے اس کے پاس جا کر پناہ لی۔ مرتدین

کا ایک گروہ پہلے ہی اس کے ساتھ تھا۔ اس طرح ایک بڑا لشکر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ حضرت خالدؓ اس کی سرکوبی کے لیے حوأب کی طرف بڑھے جہاں اُمِّ زمل مقیم تھی۔ وہ خود اونٹ پر سوار ہو کر مقابلہ کے لیے نکلی۔ مرتدین نے اس کے اونٹ کے گرد جمع ہو کر سخت مقابلہ کیا۔ اُمِّ زمل بھی بڑی بہادری سے لڑی اور اس کے جوش دلانے پر لاتعداد مرتدین نے پروانہ وار اس پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ بالآخر مسلمانوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا اور اُمِّ زمل کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام مرتدین بھاگ کھڑے ہوئے۔

طلیحہ اور اُمِّ زمل کی سرکوبی کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید، مالک بن نویرۃ الیربوعی سے نبٹنے کے لیے بطاح کی طرف بڑھے۔ مالک بن نویرہ بنوتمیم کی شاخ بنوثعلبہ بن یربوع کا سردار تھا۔ اس نے عہد رسالت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضورؐ نے بنوتمیم کی مختلف شاخوں کے امیر مقرر فرمائے تو مالک بن نویرہ کو بنوثعلبہ بن یربوع کا امیر مقرر فرمایا۔ حضورؐ کے وصال کے بعد فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو مالک بن نویرہ نے عجیب رویہ اختیار کیا۔ وہ نہ بالکل مرتد تھا اور نہ پکا مسلمان۔ اس کی روش دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ مسلمان کامیاب ہوں تو مسلمان ہی رہے اور مرتدین کو کامیابی ہو تو مرتد ہو جائے۔ اس کے خلاف کارروائی کی ضرورت اس لیے محسوس کی گئی کہ اس نے زکوٰۃ نہیں بھیجی تھی حالاں کہ بنوتمیم کی دوسری شاخوں کے سرداروں زبرقانؓ بن بدر، صفوان بن صفوان اور وکیع بن مالک وغیرہ نے زکوٰۃ کی رقمیں بارگاہِ خلافت میں ارسال کر دی تھیں۔ مالک بن نویرہ نے چند دن پہلے نبوت کی ایک جھوٹی دعویدار سجاح کا ساتھ دیا تھا اور مرتدین کی آمد و رفت بھی اس کے پاس رہتی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے رحرحان کے چشمے کے قریب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر حملہ کر کے انہیں لوٹ لیا تھا۔ حملے کے وقت وہ پکار پکار کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا:

''یہ اونٹ تمہارا مال ہیں انہیں لوٹ لو اور کچھ پروا نہ کرو کہ کل کیا ہوگا۔''

جب سجاح، مسیلمہ کذاب سے الگ ہو کر اپنے قبیلے میں واپس چلی گئی اور بنوتمیم کے بیشتر لوگ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو گئے تو مالک بن نویرہ بہت گھبرایا اور مرتدین کو جو اس کے ہاں جمع رہتے تھے اپنے ہاں آنے جانے سے منع کر دیا۔ حضرت خالدؓ نے بطاح پہنچ کر مجاہدین کی ایک جماعت علاقے کے مختلف دیہات کی طرف بھیجی اور اس کو ہدایت کی کہ جس بستی میں پہنچو

وہاں پہلے اذان دینا اگر جواب میں اس بستی کے لوگ بھی اذان دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرنا اور اگر کوئی جواب نہ دیں اور تمہارے مزاحم ہوں تو ان سے جنگ کرنا۔ جب یہ جماعت گشت کرتی ہوئی مالک بن نویرہ کی بستی کے قریب پہنچی اور اذان دی تو بستی کے ردعمل کے بارے میں مجاہدین میں اختلاف پیدا ہو گیا کچھ اصحاب کہتے تھے کہ جواب میں ہم نے بستی سے اذان کی آواز سنی ہے۔ بعض دوسروں کا بیان تھا کہ بستی والوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ وہ مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے حضرت خالدؓ کے سامنے لائے اور تمام واقعہ ان کے گوش گزار کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال ان کو زیر حراست رکھو۔ کل صبح ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ رات کو سخت سردی تھی۔ حضرت خالدؓ نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا:

دافئوا أسراكُمْ

(اپنے قیدیوں کو حرارت پہنچاؤ)

بعض عرب قبائل کی زبان میں ان الفاظ کے یہ معنی بھی ہو سکتے تھے کہ اپنے قیدیوں کو قتل کر دو۔ مشہور صحابی حضرت ضرارؓ بن ازور نے یہی سمجھا اور مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ حضرت خالدؓ نے سنا تو کہا ''اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔''

ایک اور روایت کے مطابق مالک بن نویرہ کا قتل حضرت خالدؓ سے بدکلامی اور شان رسالت میں گستاخانہ گفتگو کے نتیجے میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت خالدؓ سے گفتگو کرتے وقت سرورِ عالم ﷺ کے بارے میں بار بار ''صاحِبُکَ'' (تمہارے صاحب) کے الفاظ دہرائے یعنی، تمہارے صاحب یہ کہتے تھے، تمہارے صاحب نے تمہیں یہی حکم دیا ہے وغیرہ۔ حضرت خالدؓ کو اس پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے فرمایا: ''کیا رسول اللہ ﷺ تمہارے صاحب نہیں؟

اس کے بعد دونوں میں بڑی تلخ اور تیز گفتگو ہوئی۔ مالک بن نویرہ کے اندازِ گفتگو سے حضرت خالدؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکاری اور اسلام سے منحرف ہو چکا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کرا دیا۔

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ بھی حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل تھے ان کو مالک بن نویرہ کا قتل ناگوار گزرا کیوں کہ ان کے خیال میں مالک کی بستی سے اذان کی آواز آئی تھی اس لیے اس کا

قتل جائز نہیں تھا۔ چنانچہ وہ خفا ہو کر مدینہ منورہ چلے آئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو مدینہ منورہ بلا کر باز پرس کی۔ انہوں نے سارا واقعہ بلاکم و کاست عرض کر دیا۔ خلیفۃؓ الرسولؐ نے ان کا عذر قبول فرمالیا۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقعے پر موجود تھے انہوں نے حضرت ابوقتادہؓ کے موقف کی تائید کی اور حضرت خالدؓ کو معزول کرنے اور ان سے قصاص لینے پر اصرار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ فرما کر معاملہ ختم کر دیا کہ "لا اشیم سیفاً سله الیه علی الکٰفرین"(جس تلوار کو اللہ نے کفار پر کھینچا ہو میں اس کو نیام میں نہیں کر سکتا۔) البتہ انہوں نے مالک بن نویرہ کے وارثوں کو بیت المال سے ان کا خون بہا ادا کر دیا۔ گویا حضرت خالدؓ سے اس معاملہ میں اگر کوئی زیادتی ہوئی بھی تھی تو وہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بری الذمہ قرار دیا۔

۸

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فتنۂ رِدّہ کے سلسلے میں حضرت خالدؓ بن ولید کو جو کام سونپا تھا جب وہ اسے کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تو دربارِ خلافت سے حکم ملا کہ اب مسیلمہ کذّاب کی سرکوبی بھی تمہارے ذمہ ہے۔

مسیلمہ بن حبیب کا تعلق یمامہ (نجد) کے قبیلہ بنوحنیفہ سے تھا۔ عہد رسالت کے اواخر میں وہ بنوحنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا اور سرورِ عالم ﷺ سے ملاقات کے دوران میں کہا کہ اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا جانشین مقرر کر دیں تو میں ابھی آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپؐ نے اس کو اٹھا کر فرمایا:

> "جانشینی تو بڑی چیز ہے، میں تو تمہیں یہ چھڑی دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ اللہ نے تیرے لیے جو مقدر کر رکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسیلمہ مسلمان ہو گیا لیکن اپنے قبیلہ میں واپس جا کر مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں بھی نبی ہوں اور محمد ﷺ نے اپنی نبوت میں مجھے حصہ دار بنالیا ہے۔ اسی دروغ گوئی کی وجہ سے وہ کذّاب کہلاتا ہے۔ یمامہ سے اس نے حضورؐ کی خدمت میں یہ خط لکھا:

> "مسیلمہ رسول خدا کی طرف محمدؐ رسول خدا کی طرف السلام علیک۔

میں آپ کے کام میں شریک ہوا۔ نصف ملک میرا اور نصف قریش کا لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے۔"

حضورؐ نے اس کو یہ جواب بھیجا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کا خط مسیلمہ کذّاب کے نام

"جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ ملک اللہ کا ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے اور آخرت کی بھلائی پرہیزگاروں کے لیے ہے۔"

یہ خط بھیجنے کے جلد ہی بعد سرورِ عالم ﷺ کا وصال ہوگیا۔ اب مسیلمہ نے بڑے زور شور سے اپنی نبوت کا پرچار شروع کر دیا۔ شرفائے بنوحنیفہ میں سے ایک شخص نہار الرجال ایاس بن غفوۃ تھا۔ وہ قبول اسلام کے بعد یمامہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلا گیا تھا اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں قرآن و حدیث کی تعلیم حاصل کر کے حضورؐ کی طرف سے اہل یمامہ کا معلّم مقرر ہوا تھا۔ یہ بد بخت یمامہ پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا اور علی الاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ میری نبوت میں شریک ہے۔ اس سے ہزاروں لوگ گمراہ ہو گئے اور مسیلمہ کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ مسیلمہ نے بہت سی مسجّع مہمل عبارتیں تصنیف کی تھیں جو لوگوں کو سناتا اور کہتا کہ یہ وحی ہے۔ اپنی شعبدہ بازی کے زور سے بعض عجیب باتیں بھی ظاہر کرتا تھا اور ان کو اپنا معجزہ بتاتا تھا۔ شراب اور بدکاری کو حلال قرار دیتا تھا۔ اس طرح مسیلمہ کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ بارگاہِ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور ہوئے تھے۔ ایک حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کی قیادت میں اور دوسرا حضرت شُرَحبیلؓ بن حسنہؓ کی سرکردگی میں۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر مسیلمہ پر حملہ کرنے کی بجائے الگ الگ اس سے مقابلہ کیا اور ہزیمت اٹھائی۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو ان کی ناکامی کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عکرمہؓ اور حضرت شُرَحبیلؓ کو دوسری مہموں پر مامور فرمایا اور حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ مسیلمہ کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی ان کی مدد کے لیے مہاجرین اور انصار پر مشتمل تازہ دم جمعیت روانہ کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید مالک بن نویرہ کے قتل کے سلسلہ میں جواب دہی کر کے مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں مسیلمہ سے لڑنے کے لیے یمامہ جانے کا حکم دیا اور مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت ان کے ساتھ کر دی۔ مہاجرین کے امیر حضرت زیدؓ بن خطاب (حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی) اور انصار کے امیر حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری تھے۔ حضرت خالدؓ یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کے جھنڈے تلے چالیس ہزار آدمی جمع ہو چکے تھے۔ اس نے حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سنی تو آگے بڑھ کر عقرباء (یمامہ کی ایک بستی) کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہیں پہنچ گئے۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو سب سے پہلے نہارالرجال ایاس بن عنفوۃ میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت زیدؓ بن خطّاب اس کے مقابلے پر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں اس کو قتل کر ڈالا۔ اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسیلمہ کے بیٹے شُرحَبیل نے اپنے قبیلے کو خطاب کر کے کہا، اے بنوحنیفہ آج قومی غیرت وحمیت کا دن ہے سر بکف ہو کر لڑو، اگر مسلمان تم پر غالب آ گئے تو تمہارے اہل وعیال ان کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ اس لیے اپنے ننگ وناموس کی حفاظت کرو۔

شُرَحبیل کی للکار نے بنوحنیفہ کو شعلۂ جوالہ بنا دیا اور وہ اس تندی اور تیزی کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کہ وہ ہزار جتن کے باوجود اپنی صفیں قائم نہ رکھ سکے اور پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔

مؤرّخ طبری نے لکھا ہے **لم یلق المسلمون حرباً مثلها قط** یعنی مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اس نازک موقع پر مسلمان افسروں نے محیّر العقول شجاعت، پامردی اور عزم واستقلال کا مظاہرہ کیا۔ ان میں سے بیشتر نے مردانہ وار دینِ حق پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔[1] ان کو دیکھ کر مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے اور وہ تازہ جوش اور ولولے کے ساتھ مرتدین کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ اس مقام تک پیچھے ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم

---

(۱) چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

حضرت عمار بن یاسرؓ کا ایک کان لڑائی میں شہید ہو گیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پروائی کے ساتھ حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑتے دیکھے تو ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارے: ''اے مسلمانو! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو۔''

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بن طفیل اپنے قبیلے کو لیے کھڑا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر بڑے زور کا جوابی حملہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر تاک کر تیر چلایا جو اس کی گردن میں پیوست ہوگیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ اس سے مسلمانوں کی ہمت اور بڑھی اور انہوں نے ہلّہ کر کے مرتدین کو بہت پیچھے دھکیل دیا۔ لڑائی کی اب یہ کیفیت تھی کہ دونوں فریق سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ کبھی ایک پیچھے ہٹ جاتا کبھی دوسرا۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہوجائے اور اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ معلوم ہو کہ ہماری کمزوری کس قبیلے کی وجہ سے ہے۔ اس تدبیر کا بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ ہر قبیلہ اپنی غیرت وحمیت برقرار رکھنے کے لیے نہایت بے جگری سے لڑنے لگا لیکن مسلمانوں کے تابڑتوڑ حملوں کے باوجود مسیلمہ ثابت قدم رہا۔ حضرت خالدؓ نے سمجھ لیا کہ جب تک مسیلمہ نہ مارا جائے گا، کامیابی مشکل ہے وہ دشمن کی صفوں کو چیرتے مسیلمہ کے

حضرت قیسؓ بن ثابت انصاری نے پکار کر کہا، اے گروہِ مسلمانان تم نے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی۔ اے اللہ میں اہل یمامہ کے معبود سے اور مسلمانوں کی پسپائی سے بریت کا اظہار کرتا ہوں، مسلمانو! دیکھو کہ حملہ یوں کیا کرتے ہیں۔

یہ کہہ کہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دشمن کے وار سے ان کا پاؤں کٹ گیا۔ وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کو ہلاک کر ڈالا اور خود بھی شہید ہوگئے۔

حضرت زید بن خطابؓ نے پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا:

''مسلمانو خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے واللہ آج میں اس وقت تک نہیں بولوں گا جب تک دشمن کو شکست نہ دے دوں یا اللہ کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت نہ پیش کروں۔ اے لوگو! سختیاں برداشت کرو، ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو، آگے بڑھو، مسلمانو تم خدا کی جماعت ہو اور تمہارے دشمن شیطانی لشکر۔ عزت اللہ، اللہ کے رسولؐ اور اس کی جماعت کے لیے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو، جو میں کرتا ہوں وہی تم کرو۔'' یہ کہہ کر تلوار کھینچ کر دشمن پر جا پڑے اور شہادت پائی۔

حضرت ابوحذیفہؓ نے للکار کر کہا:

''یا اھل القرآن زینوا القرآن بالفعال''

(اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کی زینت بڑھاؤ۔)

یہ کہہ کر دشمن پر ہلّہ کیا اور شہید ہوگئے۔

مہاجرین کے علم بردار حضرت سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ ایک گڑھا کھود کر اس میں پاؤں جما کر کھڑے ہوگئے اور للکارے ''مسلمانو! رسول اللہ ﷺ کی ہم رکابی میں تو ہم اس طرح میدان نہیں چھوڑتے تھے۔'' اتنے میں مرتدوں کا ایک زبردست ریلا آیا۔ حضرت سالمؓ اس جوش سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ ایک ہاتھ شہید ہوگیا تو دوسرے میں علم تھام لیا۔ دوسرا بھی کٹ گیا تو دست بریدہ بازوؤں کا حلقہ بنا کر علم کو سینے سے چمٹا لیا اور اسی حالت میں شہید ہوگئے۔

قریب پہنچ گئے اور اس کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ اس نے ادھر دیکھا تو حضرت خالدؓ نے اس کے سامنے شرائط صلح پیش کرنی شروع کیں۔ مسیلمہ ہر شرط پر منہ اس طرح پھیر لیتا یا جھکا لیتا گویا وحی کا منتظر ہے۔ حضرت خالدؓ اسی حالت میں اس پر جھپٹ پڑے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو حملے کے لیے للکارا۔ مسیلمہ بدحواس ہو کر بھاگا اور اپنے باغ ''حدیقۃ الرحمٰن'' میں گھس گیا۔ اس کا لشکر بھی باغ میں داخل ہو گیا اور اس کی چار دیواری کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں میں حضرت انسؓ بن مالک (خادم رسول اللہ ﷺ) کے بھائی حضرت براءؓ بن مالک بھی موجود تھے، ان کی عجیب عادت تھی، جب ان کو جوش آتا تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، کئی آدمی ان کو دبا لیتے جب لرزہ ختم ہوتا تو وہ شیر کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ اس لڑائی میں بھی ان کی یہی کیفیت ہوئی۔ دشمن کو مارتے کاٹتے آگے بڑھ رہے تھے کہ باغ کی چار دیواری ان کے راستے میں حائل ہو گئی۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا، مجھ کو اٹھا کر باغ کے اندر پھینک دو۔ مسلمانوں نے کہا، ایسا نہیں ہو سکتا اس طرح تو آپ دشمن کے قابو میں آ جائیں گے۔ حضرت براءؓ نے قسم دے کر کہا، مجھے باغ میں اتار دو۔ آخر مسلمانوں نے ان کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ باغ میں کود پڑے۔ بے شمار مرتد ان پر ٹوٹ پڑے لیکن وہ لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک تک پہنچ گئے اور اس کو کھول دیا۔ اسلامی لشکر جو باہر کھڑا تھا اندر داخل ہو گیا اور فریقین میں خوفناک جنگ ہونے لگی۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکار کر کہا، مسلمانو! ثابت قدم رہو بس تمہارے ایک اور ہلّے کی دیر ہے کہ دشمن تباہ ہو گیا۔ اس للکار پر مسلمانوں نے اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ مسیلمہ بھاگنے لگا تو اس کے ساتھیوں نے کہا، تیرا وہ وعدہ کیا ہوا جو تیرا خدا تجھ سے کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا یہ موقع ان باتوں کا نہیں ہے۔ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچا لو۔ اس وقت دو حربے اس پر ایک ساتھ پڑے۔ ایک وحشیؓ بن حرب نے پھینکا تھا اور دوسرا حضرت عبداللہؓ بن زید بن عاصم انصاری نے، جن کے بھائی حضرت حبیبؓ بن زید کو کچھ عرصہ پہلے مسیلمہ نے نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا تھا۔ یہ حربے پڑتے ہی مسیلمہ ہلاک ہو گیا اور مرتدین بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسیلمہ کذّاب کا قتل فی الحقیقت حروب ردّہ کا خاتمہ تھا۔ اس لڑائی میں جو ''جنگ یمامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ مرتدین کے دس ہزار (بہ روایت دیگر اکیس ہزار) آدمی مارے گئے اور جس جگہ وہ قتل ہوئے اس

کا نام ''حدیقۃ الموت'' مشہور ہوگیا۔ مسلمان شہدا کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی ان میں تین سو مہاجرین و انصار تھے اور سات سو کلام اللہ کے حفّاظ تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک قاصد کو فتح کی خوش خبری دے کر مدینہ منورہ بھیجا، اس کے ساتھ بنو حنیفہ کا ایک وفد بھی تھا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے اس وفد کے اراکین سے فرمایا، افسوس تمہارے حال پر تم کس طرح مسیلمہ کذّاب کے فریب میں آ گئے؟ انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور معافی کی التجا کی۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے فرمایا، آخر اس کی تعلیم کیا تھی؟

انہوں نے کہا، اس کی وحی کا نمونہ یہ ہے:

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین و لا الماء تکدرین۔
لنا نصف الارض ولقریش نصفٌ ولکنّ قریشاً قَومٌ یعتدون۔

(اے مینڈک تو پاک ہے پاک۔ نہ پانی پینے والوں کو روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے۔ آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا، لیکن قریش تو ایک ظالم قوم ہے۔)

حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے یہ خرافات سن کر فرمایا:

''سبحان اللہ، تمہارے حال پر افسوس، یہ کلام جس میں مطلق شانِ ربّانی نہیں۔ تم کو کہاں کھینچ لے گیا۔''

یہ وفد مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ان کو ہدایت کی کہ اب ہمیشہ اسلام پر قائم رہنا اور ایسے کام کرنا، جن سے خدا اور رسول راضی ہو جائیں۔

فتنۂ رِدّہ کے خاتمے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ایک وادی الوبر میں مقیم ہو گئے۔ وہیں چند دن کے بعد (۱۲ محرم ۱۲ ہجری کو) حضرت ابوبکر صدّیقؓ کا حکم ملا کہ مثنّیؓ بن حارثہ کی مدد کے لیے عراقِ عرب روانہ ہو جاؤ اور اُبُلّہ کی سرحد سے یلغار شروع کر دو۔

۹

حضرت ابوبکر صدّیقؓ عرب کے داخلی خلفشار (فتنۂ رِدّہ) پر قابو پا چکے تو انہوں نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست بیرونی دشمنوں کی طرف مبذول کی جو اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی

روم اور فارس (ایران)۔خلیفۃ الرسولؐ کے نزدیک اسلام کے ان بیرونی دشمنوں سے نبٹنا کس قدر اہمیت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں ایک صحابی نے اپنے قبیلے کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا تو انہوں نے غصّہ ہوکر جواب دیا کہ میں تو ان دوشیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں، جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم مجھے معمولی کاموں میں الجھاتے ہو۔

ظہورِ اسلام کے وقت عرب (مملکت اسلامیہ) کی شمالی سرحد اُس دور کی دو عظیم الشان سلطنتوں کی سرحدوں سے ملتی تھی۔عراق سے مشرق کی طرف کا علاقہ (شام) رومۃ الکبریٰ کی بازنطینی سلطنت کے زیرِ نگین تھا اور مغرب کی طرف کا علاقہ ایرانی شہنشاہیت کے زیرِ تسلّط تھا۔ عراق سے متصّل علاقے میں آباد عرب قبائل ایرانی سلطنت کے باجگزار یا زیر اثر تھے اور شام سے ملحق علاقے میں بسنے والے عربی قبائل رومی حکومت کی اطاعت اور حمایت کا دم بھرتے تھے۔

ان دونوں سلطنتوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ عرب اپنی کوئی طاقتور اور ان کے اثر سے آزاد مملکت (حکومت) قائم کرلیں۔چنانچہ کسریٰ (شاہ ایران) اور قیصر (شاہ روم) دونوں کی آنکھوں میں عرب کی نوزائیدہ اسلامی مملکت خار کی طرح کھٹکتی تھی یہی سبب تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف معرکہ آرائی کا آغاز کیا۔

ایرانی حکومت کے باجگزار قبائل میں ایک قبیلہ ''بنوشیبان'' کا تھا۔ ۹ ہجری میں اس قبیلے نے اپنے ایک سردار مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی سرکردگی میں ایک وفد مدینہ بھیجا، جس نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ ۱۱ ہجری میں بحرین فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آیا اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے حضرت علاء حضرمیؓ کو مرتدین بحرین کی سرکوبی کے لیے بھیجا تو جہاں ایرانی حکومت نے بحرین کے مرتدوں کی مدد کی وہاں ''بنوشیبان'' نے حضرت علاءؓ حضرمی کو بھرپور امداد دی۔ جب مرتدین کا پوری طرح استیصال ہوگیا اور اسلامی حکومت کا تسلّط پورے عرب پر بحال ہوگیا تو حضرت مثنیٰؓ نے اپنے قبیلے کو ساتھ لے کر ایرانی اقتدار کے خلاف زبردست جدوجہد شروع کردی۔ اس جدوجہد کے کئی محرکات تھے۔سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ایرانی حکّام اپنے زیر اثر عرب علاقوں کے باشندوں سے انسانیت سوز سلوک کرتے تھے۔ان کی فصلیں تیار ہوتیں تو ایرانی حکام آتے اور سارا غلّہ سمیٹ کرلے جاتے اور عربوں کو بخشش کے طور پر چند سکے دے جاتے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ سلطنتِ ایران سیاسی خلفشار میں مبتلا ہوگئی تھی اور چار سال کے عرصے میں نو بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ ایران پر بیٹھ چکے تھے۔

تیسری چیز جس نے عربوں کو ایرانی ستم شعاروں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا حوصلہ بخشا، عرب میں ایک مضبوط (اسلامی) حکومت کو سخت پریشان کرتے رہے لیکن صدیوں پرانی ایک وسیع و عریض سلطنت کو چھاپہ مار جنگ کے ذریعے مغلوب کرنا ممکن نہیں تھا اس لیے حضرت مثنیٰؓ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوکر ایران کے سیاسی خلفشار اور اپنی مہموں کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے اور درخواست کی کہ ان کی مدد کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے ان کی باتیں بڑے غور اور ہمدردی کے ساتھ سنیں اور پھر اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ان سے فرمایا کہ تم واپس جا کر بنو شیبان اور ان کے حلیف قبائل کو منظّم کرو، جلد ہی تمہیں کمک پہنچ جائے گی اس وقت تک تم ایرانیوں سے کسی بڑی جنگ میں الجھنے سے احتراز کرو۔ مثنیٰؓ کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم بھیجا کہ مثنیٰؓ کی مدد کے لیے فوراً عراقِ عرب پہنچو اور اہلِ ایران کے خلاف مہم کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔

حضرت خالدؓ رِدّہ کے سلسلے کی لڑائیوں سے تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے اور ان کے ماتحت لشکر کی تعداد بہت کم تھی کیوں کہ ایک ہزار آدمی جنگ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے، ایک بڑی تعداد زخمیوں کی تھی اور بہت سے مسلمان اپنے قبائل میں واپس چلے گئے تھے۔ پھر خلیفۃ الرسولؐ کی یہ ہدایت بھی تھی کہ کسی ایسے آدمی کو لشکر میں شامل نہ کرو جو ایک دفعہ مرتد ہوکر دوبارہ مسلمان ہوا ہو۔ لیکن حضرت خالدؓ بڑے بلند حوصلہ جرنیل تھے اور خواہ حالات کیسے ہی کٹھن ہوں ان کی جبینِ ہمت پر شکن نہ آتی تھی۔ وہ صرف دو ہزار مجاہدین کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہوگئے۔ راستے میں قبائل مضر و ربیعہ کے مزید آٹھ ہزار آدمی لشکر میں شامل کیے اور یوں وہ دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ عراق کی سرحد پر پہنچ گئے جہاں حضرت مثنیٰؓ نباج کے مقام پر آٹھ ہزار مجاہدین کے ساتھ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کی کل تعداد مل ملا کر اٹھارہ ہزار ہوگئی۔ اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید نے سنبھال لی۔

عراقِ عرب کی ابتدائی لڑائیوں کی ترتیب کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ سب سے پہلے اُبُلّہ پہنچے جو ایران کی ایک اہم بندرگاہ تھی۔ وہاں عرب اور ہندوستان کے برّی اور بحری خطوط آ کر ملتے تھے اس لیے بڑی رونق رہتی تھی۔ اسی

مقام پر ایرانی افواج اور مجاہدین اسلام کے درمیان حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں پہلا معرکہ برپا ہوا، جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بانقیا اور بارسوما (باروسما) کو مسخر کرتے ہوئے اُبُلّہ کی طرف بڑھے۔ اس سے پہلے انہوں نے وہاں کے حاکم ہُرمُز کو ایک خط روانہ کیا جس میں لکھا کہ:

> ''اگر تم لوگ سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول کر لو۔ اگر یہ منظور نہیں تو جزیہ دو اور مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر جو نتیجہ ہو گا اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ میں ایک ایسی قوم اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم زندگی کو پسند کرتے ہو۔''

ہرمز سلطنتِ ایران کے اوّل درجہ کے امرا میں سے تھا، جس کا نشان یہ تھا کہ وہ ایک لاکھ درہم کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ وہ ایک انتہائی بدفطرت اور ظالم شخص تھا اور اپنے علاقے کے عربوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا رہتا تھا اس لیے عرب اس سے سخت نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اگر انہیں کسی شخص کی خباثت کا ذکر کرنا ہوتا تو کہتے:

> ''فلاں شخص تو ہرمز سے بھی زیادہ شریر اور بدباطن ہے۔''

ہرمز کو حضرت خالدؓ کا خط ملا تو اس نے تمام حالات دربارِ ایران کو لکھ بھیجے اور خود ایک جرّار لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھا۔ ایرانیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ان کے کئی دستوں نے اپنے آپ کو آہنی زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ رکھا تھا تا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ میدانِ جنگ سے پیچھے قدم نہ ہٹائیں۔ کاظمہ کے قریب حضرت خالدؓ دشمن کے مقابل ہوئے۔ ایرانیوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اس لیے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر سے کہا، میری جان کی قسم پانی اس کا ہے، جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور بہادر ثابت ہو۔

پھر انہوں نے حکم دیا کہ یہیں اترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کر لو۔ مسلمان یہ حکم سنتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ مکّار ہرمز کو اس موقعے پر ایک چال سوجھی، اس نے چند سوار کمین گاہ میں چھپا دیے اور آگے بڑھ کر حضرت خالدؓ کو مقابلے کے لیے للکارا۔ دعوتِ مبارزت دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جونہی خالدؓ اپنی صفوں سے نکل کر آگے آئیں کمین گاہ میں چھپے ہوئے سوار اُن پر جھپٹ

پڑیں اور قتل کر ڈالیں۔ حضرت خالدؓ ہرمز کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو ہرمز کے آدمی اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ان کی طرف جھپٹے۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی دشمن کی نقل و حرکت پر بڑی کڑی نظر رکھ رہے تھے انہوں نے حضرت خالدؓ کو خطرے میں دیکھا تو اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر ایرانی سواروں کو گھیر لیا۔ ادھر حضرت خالدؓ نے ہرمز پر حملہ کر کے آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے ایرانیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا اور وہ دیوانہ وار مسلمانوں پر پل پڑے۔ دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن بالآخر سپہ سالار کی عدم موجودگی کے باعث ایرانیوں پر ہزیمت کے آثار نمودار ہونے لگے یہاں تک کہ ان کا میمنہ اور میسرہ بالکل برباد ہو گیا۔ باقی لشکر بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس لڑائی میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ایرانیوں نے جن زنجیروں سے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا وہ میدان جنگ سے جمع کی گئی تو ان کا وزن تقریباً ساڑھے سات من نکلا، اسی وجہ سے اس معرکے کو ''ذات السلاسل'' بھی کہا جاتا ہے۔ مالِ غنیمت کا جو حصہ مدینہ منورہ بھیجا گیا اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ خلیفۃ الرسولؐ کے حکم سے اسے شہر میں پھرایا گیا۔ خواتین اسے دیکھتیں تو کہتیں:

امن خلق اللّٰہ مانریٰ

کیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے؟

گشت کے بعد یہ ہاتھی واپس عراق بھیج دیا گیا۔ مالِ غنیمت میں ہرمز کا مرصّع تاج بھی تھا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے یہ قیمتی تاج حضرت خالدؓ کو عطا فرمایا کیوں کہ انہوں نے ہی ہرمز کو قتل کیا تھا۔

اس لڑائی کو جنگِ کاظمہ اور ذات السلاسل کے علاوہ جنگِ حفیر بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ بعض مؤرّخین کے نزدیک یہ لڑائی حفیر کے قریب ہوئی جو بصرہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معرکہ حفیر اور کاظمہ کے درمیان کسی مقام پر پیش آیا ہو۔

(۱۰)

جنگِ کاظمہ کے بعد حضرت خالدؓ کو اطلاع ملی کہ ایک بہت بڑے ایرانی لشکر نے مذار کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہے اور مسلمانوں پر حملے کے لیے پر تول رہا ہے۔ دراصل یہ لشکر شاہِ ایران

نے اپنے ایک جرنیل قارن بن قریانس کی سرکردگی میں ہرمز کی مدد کے لیے روانہ کیا تھا۔ قارن کو واسط اور بصرہ کے درمیان واقع مذار کے مقام پر ہرمز کے حشر کا علم ہوا تو اس نے مذار کے قریب نہر ثنی کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ ہرمز کی شکست خوردہ فوج کے دو افسر قباذ اور انوشجان جو بچ کر نکل آئے تھے، قارن نے انہیں اپنی فوج کے میسرہ اور میمنہ کا افسر بنایا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی لیکن اس سے پہلے کہ قارن مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا، حضرت خالدؓ خود پیش قدمی کر کے مذار پہنچ گئے اور ایرانیوں کے مقابل ہوئے۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں قارن، قباذ اور انوشجان سمیت تیس ہزار ایرانی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں کچھ نہر ثنی میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اور دوسروں نے بڑی مشکل سے جانیں بچائیں۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو اتنا کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک سوار کے حصے میں تیس تیس ہزار درہم آئے۔

جب اردشیر شاہِ ایران کو مذار میں ایرانیوں کی عبرت ناک شکست کی خبر ملی تو اس نے اپنے دو آزمودہ کار جرنیلوں اندرزغر اور بہمن کو یکے بعد دیگرے دو زبردست لشکر دے کر مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ دونوں لشکر ولجہ کے مقام پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ حیرہ اور کسکر کے درمیان آباد عربی النسل عیسائیوں اور کسانوں کی ایک بڑی تعداد بھی ایرانیوں کی مدد کے لیے میدان میں آ گئی۔ اس طرح ولجہ میں ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔ حضرت خالدؓ کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی خبر ملی تو انہوں نے سویدؓ بن مقرن کو چند دستوں کے ساتھ مذار میں چھوڑا اور خود باقی لشکر کے ساتھ وَلجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ولجہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سمندر کا ساحلی علاقہ ان کے بالکل قریب ہے اور اس میں جگہ جگہ کٹاؤ اور نشیب ہیں۔ اس موقع پر کثیر التعداد دشمن کو شکست دینے کے لیے ان کو ایک نہایت عمدہ جنگی تدبیر سوجھی، وہ یہ کہ تھوڑی تھوڑی فوج کو نشیبی جگہوں میں چھپا دیا اور خود چند مضبوط دستوں کے ساتھ دشمن کے مقابل ہوئے۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی جب ایرانی فوج پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہوئے تو حضرت خالدؓ نے کمین گاہوں میں چھپی ہوئی فوج کو حکم بھیجا کہ میدانِ جنگ میں پہنچ جاؤ۔ یہ فوج آناً فاناً دشمن پر قہرِ خدا بن کر ٹوٹ پڑی۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے اور باقی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، اندرزغر بھی ان میں شامل تھا وہ صحرا میں پیاس کے مارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر

مر گیا البتہ بہمن بچ کر نکل گیا۔ جنگ کے بعد حضرت خالدؓ نے عام آبادی پر جزیہ عائد کر کے اس کو معافی دے دی۔

جنگِ ولجہ میں عربی النسل عیسائی قبائل کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے وہ اس کا انتقام لینے کے لیے اُلّیس (کوفہ کے قریب عراقی سرحد پر ایک مقام) میں جمع ہو کر لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔ اُدھر بہمن دربارِ ایران میں پہنچا اور وہاں سے ایک بھاری لشکر لے کر اُلّیس پہنچا۔ یہ لشکر اس نے علاقے کے ایرانی حاکم جابان کے سپرد کیا اور اس کو ہدایت کی میں دوبارہ شاہِ ایران کے پاس مشورہ کے لیے جا رہا ہوں تم میری واپسی سے پہلے جنگ نہ چھیڑنا۔ اسی اثنا میں حضرت خالدؓ اُلّیس پہنچ گئے اور بلا توقف عیسائی قبائل سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس وقت جابان کی فوج اطمینان سے کھانا کھانے میں مشغول تھی کیوں کہ اس کو حکم تھا کہ بہمن کے واپس آنے سے پہلے لڑائی میں شریک نہ ہو۔ حضرت خالدؓ نے بھرپور حملہ کر کے عیسائی قبائل اور ایرانی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس معرکے میں ستر ہزار عیسائی اور ایرانی مارے گئے۔

معرکۂ اُلّیس سے فارغ ہو کر حضرت خالد اَمغیشیا کی طرف بڑھے۔ وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا رُخ اپنی جانب دیکھا تو گھبرا گئے اور شہر سے نکل گئے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اس پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ وہاں سے کثیر مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا پانچواں حصہ مژدۂ فتح کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیجا تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ بہت خوش ہوئے اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

> ''اے معشرِ قریش تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کیا اور اس کے غار میں داخل ہو کر اس پر غلبہ پایا۔ اب عورتیں خالد جیسا دلاور پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔''

۱۱

امغیشیا کے قریب ہی حیرہ کا تاریخی شہر تھا (امغیشیا اور حیرہ اس جگہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھے جہاں کچھ عرصے کے بعد کوفہ کا شہر آباد ہوا۔) وہاں کے ایرانی حاکم آزادبہ (یا اراذبہ) کو معلوم ہوا کہ اب مسلمان حیرہ پر لشکر کشی کریں گے تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک مضبوط فوج دے کر مسلمانوں کو روکنے کے لیے آگے روانہ کیا اور خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر

نکل کر خیمہ زن ہو گیا تاکہ ضرورت پڑنے پر فوراً اپنے بیٹے کی مدد کو پہنچ سکے۔ امغیشیا اور حیرہ کے درمیان دریائے فرات تھا۔ ابنِ آزادبہ نے دریا پر بند باندھ کر اس کا پانی اس سے نکلنے والی نہروں میں ڈال دیا۔ مسلمان جو کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کے راستے حیرہ کی طرف بڑھ رہے تھے اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوئے کیوں کہ دریا کے پانی کا رخ بدل جانے کی وجہ سے ان کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کشتیوں کو وہیں چھوڑ دیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ کریں۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور گھوڑے اڑاتے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ ابن آزادبہ اس ناگہانی حملہ کے لیے تیار نہ تھا اس لیے بدحواس ہو گیا اور اپنی فوج سمیت مارا گیا۔ مسلمانوں نے بند توڑ کر دریا کو دوبارہ معمول کے راستے پر جاری کر دیا اور حیرہ کی طرف بڑھے۔ اسی دوران میں شاہِ ایران اردشیر کا انتقال ہو گیا۔ آزادبہ کو اردشیر کی وفات اور اپنے بیٹے کے قتل کی خبر ایک ساتھ ملی۔ اس خبر نے اس کے حوصلے پست کر دیے اور وہ اپنے لاؤ لشکر کو ساتھ لے کر بھاگ گیا۔ چنانچہ مسلمان کسی مزاحمت کے بغیر حیرہ کے قریب پہنچ گئے اور غریین اور قصرِ ابیض کے درمیان اس جگہ ڈیرے ڈال دیے جہاں آزادبہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ حیرہ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ اگر تم جزیہ دینا قبول کر لو اور قلعے کا دروازہ کھول دو تو تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا بلکہ تمھاری حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہو گی۔ اہل حیرہ نے اس پیغام کے جواب میں مسلمانوں پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان پر تسلسل کے ساتھ شدّت سے تیر برساؤ۔ مسلمانوں کی شدید تیر بازی سے حیرہ کے بے شمار باشندے مارے گئے، اس پر شہر کے مذہبی رہنماؤں اور پادریوں نے قلعہ کے سرداروں پر زور ڈالا کہ سنگ باری بند کرو اور اہل شہر کو مسلمانوں کے تیروں سے بچاؤ۔ ان سرداروں نے مجبور ہو کر حضرت خالدؓ کو کہلا بھیجا کہ ہمارا ایک وفد آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے اس لیے لڑائی بند کر دیں۔ حضرت خالدؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ چنانچہ ان کے پانچ سرداروں عدی و عمرو پسران عدی حیری بن اکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ پر مشتمل ایک وفد حضرت خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ اس موقع پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

''یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے عدی اور عمرو پسران عدی، حیری بن اُکال، عمرو بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا۔ یہ لوگ اہل حیرہ کی طرف سے اس عہد نامے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانے گئے ہیں۔ معاہدے کے مطابق اہل حیرہ کو ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم بطور جزیہ ادا کرنے ہوں گے۔ یہ جزیہ راہبوں اور قسیسوں (پادریوں) کو بھی ادا کرنا ہوگا۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے جو مفلس اور محتاج ہوں، تارک الدنیا راہب ہوں یا اپاہج ہوں۔ اگر یہ جزیہ باقاعدہ ادا کیا جاتا رہا تو اہل حیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ (خالد بن ولید یا مسلمانوں) پر ہے۔ اگر میں (یا مسلمان) ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ نہ لیا جائے گا اور اگر اہل حیرہ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو وہ ہماری پناہ (حفاظت) سے نکل جائیں گے۔ یہ معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ ہجری میں لکھا گیا۔''

حیرہ کی صلح کے بعد نواحی علاقے کے باشندوں نے بھی ۲۰ لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی۔ حیرہ اور ملحقاتِ حیرہ پر مسلمانوں کا پورا تسلّط ہو گیا تو حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، حضرت ضرارؓ بن ازور، حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ اور کچھ دوسرے افسران فوج کو سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیا اور ان کو ہدایت کی کہ دشمن پر برابر یورش کرتے رہو اور اس کو جنگی تیاری کی مہلت نہ دو۔ چنانچہ ان افسروں نے اپنی سرحدوں سے آگے دجلہ کے کنارے تک سارا علاقہ دشمن سے چھین لیا۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے مختلف (مفتوحہ) علاقوں میں عُمّال مقرر کیے اور انہیں اپنے علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے اور جزیہ وصول کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسی موقع پر بانقیا داور باروسماء کے باشندوں کی طرف سے پادری صلوبا بن نسطونا حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دس ہزار درہم سالانہ جزیہ دینے کا عہد کیا۔ اس کے عوض حضرت خالدؓ نے بانقیا اور باروسماء کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا اور تحریری معاہدہ لکھ دیا۔ اس معاہدے کا مضمون بھی قریب قریب وہی تھا جو اہل حیرہ کو لکھ کر دیا گیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل بانقیا اور باروسماء نے حضرت خالدؓ کا مقابلہ کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمان ان کو کچل ڈالیں گے تو صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اس مقصد کے لیے ویرناطف کے پادری صلوبا کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت خالدؓ کے پاس بھیجا۔

ان انتظامات سے فارغ ہوکر حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو کو حیرہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود انبار کی طرف بڑھے، جو ایرانیوں کا ایک مضبوط گڑھ تھا۔ اہل انبار کو حضرت خالدؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے۔ مسلمان شہر کے قریب پہنچے تو اہل انبار نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ حضرت خالدؓ نے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر ایرانیوں کے دفاعی انتظامات کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اہل انبار اصولِ جنگ سے ناواقف ہیں اس لیے انہیں آسانی سے تیروں کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دشمن کے سپاہیوں کی آنکھوں کو تاک تاک کر نشانہ بناؤ۔ مسلمانوں نے اسی طرح کیا اور آناً فاناً دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بے کار کر دیں۔ ایسی مصیبت سے اہل انبار کو پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ انبار کے ایرانی سپہ سالار شیرزاد نے فوج میں بددلی کے آثار دیکھے تو اس نے حضرت خالدؓ سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن ایسی شرطیں پیش کیں جو حضرت خالدؓ کے لیے قابل قبول نہیں تھیں۔ چنانچہ بات چیت کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اب حضرت خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر ایسے مقام پر آئے جہاں خندق کی چوڑائی بہت کم تھی۔ انہوں نے حکم دیا کہ بیمار اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے خندق میں ڈال دیے جائیں۔ اس طرح خندق کا ایک حصہ پٹ گیا اور پل سا بن گیا۔ اسلامی لشکر اس پر سے گزر کر خندق کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ مسلمانوں کا دباؤ برداشت کرنا اب ایرانیوں کے بس کی بات نہیں تھی ناچار انہوں نے حضرت خالدؓ کی شرائط پر صلح کر لی اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ انبار کے سقوط سے نواحی علاقے کے باشندوں کی ہمتیں بھی پست ہوگئیں اور انہوں نے کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت زبرقانؓ بن بدر کو انبار میں اپنا نائب بنایا اور عین التمر کی طرف بڑھے جہاں ایک نامور ایرانی جرنیل مہران پسر بہرام چوبین ایرانیوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی مدد کے لیے تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ متعدد (عربی النسل عیسائی قبائل بھی عقہ بن عقہ کی قیادت میں پہنچ گئے تھے۔ مہران نے ایک خاص حکمت عملی کے تحت ان عرب عیسائی قبائل کو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آگے بڑھایا۔ عقہ کرخ کے مقام پر اپنی فوج کی صف بندی کر رہا تھا کہ حضرت خالدؓ اس کے سر پر پہنچ گئے اور دم لیے بغیر عقہ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ صفوں کو چیرتے ہوئے عقہ کے قریب پہنچ گئے اور

کمند ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا۔ اپنے سردار کی گرفتاری سے فوج حواس باختہ ہوگئی اور بھاگ کھڑی ہوئی مسلمانوں نے تعاقب کر کے سینکڑوں آدمیوں کو اسیر بنالیا، جو بچ گئے انہوں نے عین التمر کے قلعے میں پناہ لی۔ مہران نے عیسائی عربوں کا حشر دیکھا تو قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور دشمن پر اتنا شدید دباؤ ڈالا کہ اس کے لیے قلعے کے دروازے کھولنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ حضرت خالدؓ نے تمام عیسائی عربوں کو گرفتار کر لیا۔ وہ ان کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ عقہ سمیت سب کی گردنیں اڑا دیں۔

جن ایّام میں حضرت خالدؓ بن ولید عراق عرب کی مہمات میں مصروف تھے دومۃ الجندل میں بغاوت ہوگئی اور کلب، بہرا، غسان، تنوخ اور ضجاعم کے قبائل اکیدر اور جودی کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنم کو اس بغاوت پر قابو پانے کے لیے دومۃ الجندل روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر دشمن کو بہت طاقتور پایا تو حضرت خالدؓ کو مدد کے لیے بلا بھیجا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے بھی انہیں حضرت عیاضؓ کی مدد کے لیے پہنچنے کا حکم دیا۔ بہرصورت عین التمر کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ نے عویم بن کاہل اسلمی کو پیچھے چھوڑا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کا رخ کیا۔ جب دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو اکیدر نے یہ کہہ کر دوسرے باغی سردار جودی کا ساتھ چھوڑ دیا کہ میں خالد بن ولید سے نہیں لڑ سکتا۔ حضرت خالدؓ کو اکیدر کے فرار کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دستۂ فوج اس کے پیچھے بھیجا جس نے اس کو گرفتار کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو عہد شکنی اور بغاوت کے جرم میں قتل کر دیا۔ (اکیدر نے عہدِ رسالت میں اطاعت قبول کر لی تھی لیکن پھر بغاوت میں شریک ہوگیا تھا)۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے دو طرفوں سے دومۃ الجندل کو گھیر لیا۔ باغیوں کی امداد کے لیے کئی عربی النسل عیسائی قبائل بھی پہنچ گئے تھے۔ یہ سب مل کر جودی بن ربیعہ، ودیعہ کلبی، ابنِ رومانس کلبی، ابن الایہم اور ابن حدرجان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عیاضؓ نے انہیں شکست فاش دی۔ جودی اور ودیعہ مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے اور باقی فوج نے پسپا ہو کر قلعے کا رُخ کیا۔ جب قلعہ بھر گیا تو اندر والوں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو جو زیادہ تر بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے

مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ بنوکلب نے حضرت خالدؓ کی فوج کے ایک سردار عاصمؓ بن عمرو تمیمی سے رحم کی التجا کی کیوں کہ ان کا قبیلہ تمیم، بنوکلب کا حلیف تھا۔ حضرت عاصمؓ نے ان کو امان دے دی۔ حضرت خالدؓ نے ان کے عہد کا احترام کیا اور بنوکلب کے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے قلعے کا پھاٹک اکھڑ واڈالا اور قلعے میں موجود تمام باغیوں کو گرفتار کرلیا۔ پھر ان سب کو جودی سمیت بغاوت کی پاداش میں قتل کراڈالا۔

(۱۲)

حضرت خالدؓ ابھی دومۃ الجندل میں ہی تھے کہ عراقِ عرب میں ایرانیوں نے پھر شورش برپا کردی۔ ان کے دوسرداروں روز بہ اور زرمہر نے حصید اور خنافس پر چڑھائی کردی۔ حضرت زبرقانؓ بن بدر حاکم انبار کو ایرانیوں کی نقل وحرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکم حیرہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی سے مدد طلب کی۔ حضرت قعقاعؓ نے ان کا پیغام ملتے ہی الگ الگ دولشکر اعبد بن فدکی السعدی اور عروہ بن جعد البارقی کی قیادت میں حصید اور خنافس کی طرف بھیجے کہ ایرانیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیں۔ انہوں نے ریف میں روز بہ اور زرمہر کا راستہ روک لیا جہاں وہ بنوربیعہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا معاہدہ کر چکے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بن ولید عیاضؓ بن غنم کو ساتھ لے کر دومۃ الجندل سے حیرہ واپس آ گئے۔ یہاں انہیں امرؤالقیس کا خط ملا کہ ہذیل بن عمران نے مُصَیَّخ اور ربیعہ بن بشر نے الثنی اور البشر کے مقامات پر فوجیں جمع کی ہیں اور وہ جلد ہی یہ فوجیں لے کر روز بہ اور زرمہر کی مدد کے لیے جارہے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے یہ خط ملتے ہی حضرت قعقاعؓ اور ابولیلیٰ کو روز بہ اور زرمہر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور پھر حیرہ میں حضرت عیاضؓ بن غنم کو چھوڑ کر خود بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابولیلیٰ ابھی عین التمر تک پہنچے تھے کہ حضرت خالدؓ بھی ان سے آن ملے۔ یہاں سے انہوں نے حضرت قعقاعؓ کو حصید کی جانب اور حضرت ابولیلیٰؓ کو خنافس کی طرف روانہ کیا۔ روز بہ اور زرمہر نے مل کر حصید میں حضرت قعقاعؓ کا مقابلہ کیا لیکن دونوں لڑائی میں مارے گئے اور ان کی فوج نے بری طرح شکست کھائی۔ شکست خوردہ فوج نے بھاگ کر خنافس میں پناہ لی۔ اس اثناء میں حضرت ابولیلیٰ خنافس پہنچ گئے۔ ایرانی حاکم مہبوذان کو

مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اپنی فوج کے ساتھ خنافس سے نکل کر مُصَیَّخ چلا گیا۔ چنانچہ حضرت ابولیلیٰؓ نے خنافس پر کسی مزاحمت کے بغیر قبضہ کرلیا۔ اب حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ، حضرت ابولیلیٰؓ حضرت اعبدؓ اور حضرت عروہؓ کو مُصَیَّخ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ فلاں رات کو فلاں مقام پر سب اکٹھے ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ خود بھی مقررہ رات کو ان کے پاس پہنچ گئے اور پھر متحدہ اسلامی لشکر نے ایرانیوں اور ان کے عرب حلیفوں پر تباہ کن شب خون مارا۔ عیسائی عربوں کا سردار ہذیل بن عمران تو بچ کر نکل گیا لیکن مُصَیَّخ میں موجود باقی تمام عیسائی عرب اور ایرانی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

مُصَیَّخ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ نے بنوتغلب کی طرف توجہ کی جو کئی بار ایرانیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت قعقاعؓ اور حضرت ابولیلیٰ کو بنوتغلب کی بستیوں الثنی اور البشر پر شبخون مارنے کا حکم دیا جہاں ربیعہ بن بجیر تغلبی اپنی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ ان کے پیچھے حضرت خالدؓ بھی اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک مقررہ رات کو مجاہدین نے تین سمتوں سے الثنی پر حملہ کیا اور تمام دشمنوں کو (عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے سوا) فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ الثنی کے بعد البشر (جس کا دوسرا نام الزمیل ہے) کی باری آئی۔ وہاں بھی تغلبیوں کا ایک لشکر موجود تھا۔ ہذیل بن عمران نے مُصَیَّخ سے بھاگ کر اسی جگہ پناہ لی تھی۔ حضرت خالدؓ نے ایک ہی ہلّے میں البشر پر قبضہ کرلیا اور دشمن کا صفایا کر دیا۔ اس کے بعد وہ الرضاب کی طرف بڑھے جہاں عقہ (مقتول) کا بیٹا ہلال لشکر لیے پڑا تھا اس نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس طرح الرضاب پر بھی مسلمانوں نے آسانی سے قبضہ کرلیا۔

الرضاب کی تسخیر کے بعد حضرت خالدؓ نے الفراض کا رُخ کیا۔ یہاں عراق، شام اور الجزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں اور جنگی نقطۂ نگاہ سے اس کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ حضرت خالدؓ الفراض پہنچے تو ان کے مقابلے میں نہ صرف ایرانی اور شامی متحد ہو گئے بلکہ تغلب، نمر اور ایاد کے عربی النسل قبائل بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ اس متحدہ لشکر نے دریائے فرات کو پار کرکے بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے حضرت خالدؓ کی قیادت میں اس جرأت اور پامردی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کو لوہے کے چنے چبوا دیے اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ اس موقع

پر حضرت خالدؓ نے للکار کر کہا، مسلمانو! ان کو گھیر لو اور کسی کو بچ کر نہ جانے دو۔ ان کی للکار پر مسلمان جانبازوں نے دشمن کے سپاہیوں کو گھیر گھیر کر مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح ان کی بیشتر تعداد مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہوگئی، جو تھوڑے بہت پیچھے کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہوئے وہ دریائے فرات میں غرق ہو گئے۔ فتح کے بعد حضرت خالدؓ نے فوج سے کہا کہ وہ چند دن ستا لے۔ چنانچہ سارا لشکر الفراض ہی میں ٹھہر گیا۔ دس دن کے بعد (۲۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کو) حضرت خالدؓ نے فوج کو حیرہ کی جانب کوچ کا حکم دیا اور اپنے متعلق ظاہر کیا کہ جیسے وہ ساقہ (عقبی فوج) کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لشکر کے کوچ کرتے ہی وہ نہایت راز داری کے ساتھ چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر برق رفتاری سے مکہ معظّمہ پہنچے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے اسی برق رفتاری سے واپس آ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت الفراض سے آنے والی فوج کا آخری حصہ حیرہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ وہ (خفیہ حج سے واپس آ کر) اس فوج کے ساقہ (آخری یا عقبی حصے) سے آ ملے۔ لشکر کے کسی اور آدمی کو ان کے حج پر جانے کا علم نہیں تھا۔ جب انہوں نے واپسی پر حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر منڈے ہوئے دیکھے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ حج کر کے آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو حضرت خالدؓ کے خفیہ حج کی اطلاع ملی تو انہوں نے ان کو لکھا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا کیوں کہ سپہ سالار کا اپنی فوج سے یکا یک غیر حاضر ہو جانا اس کے لیے کئی خطرات کا موجب بن سکتا ہے۔

حضرت خالدؓ حیرہ پہنچے ہی تھے کہ انہیں دربارِ خلافت سے فوراً شام جانے کا حکم ملا۔ چنانچہ وہ عراقِ عرب کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام حضرت مثنّیٰؓ بن حارثہ کے سپرد کر کے شام روانہ ہو گئے۔

حضرت خالدؓ نے کل ایک سال دو ماہ (محرم ۱۲ ہجری سے صفر ۱۳ تک) کا عرصہ عراقِ عرب میں گزارا۔ اس دوران میں انہوں نے پندرہ جنگیں لڑیں اور سب میں کامیاب ہوئے۔

(۱۳)

جس زمانے میں حضرت خالدؓ بن ولید عراق عرب میں ایرانی شہنشاہیت پر ضربیں لگا رہے تھے۔ رومی شہنشاہیت سے بھی معرکہ آرائیوں کا آغاز ہو چکا تھا اور چار اسلامی

لشکر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کی سرکردگی میں شام کے مختلف مقامات کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ رومی پوری قوت سے قدم قدم پر ان کی مزاحمت کر رہے تھے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں سخت مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ یہی صورت حالات تھی جس سے مؤثر طور پر عہدہ برآ ہونے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً شام میں مصروف جہاد مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔ یہ حکم ملتے ہی حضرت خالدؓ نے (خلیفۃؓ الرسولؐ کی ہدایت کے مطابق نصف لشکر کے ساتھ) عراقِ عرب سے شام کا رُخ کیا۔

حضرت خالدؓ نے شام کے محاذِ جنگ پر پہنچنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ انہوں نے پانچ چھ دن میں طے ہو جانے والے آسان اور معروف راستے کو چھوڑ کر جبل دروز (حوران) کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض صحرا (بادیۃ الشام یا حمد (Hamad) کا طویل راستہ اختیار کیا۔ مؤرخین نے حضرت خالدؓ کے اس طرز عمل کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ان سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت یہ راستہ اختیار کیا اور اٹھارہ دن کے کٹھن اور پُرصعوبت سفر کے بعد سویٰ (موجودہ نام بئر سیبا) پہنچ گئے۔ اہل سویٰ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی فوج ایسے ہیبت ناک صحرا سے گزر کر ان پر حملہ آور ہو سکتی ہے۔ جب انہوں نے اچانک اسلامی لشکر کو اپنے سر پر پایا تو حواس باختہ ہو گئے اور معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ سویٰ سے حضرت خالدؓ ارک، تدمر (پالمودہ) قریتین، حوارین اور قصم کو فتح کرتے ہوئے سیدھے جنوب کی طرف بڑھتے گئے اور دمشق کو ایک طرف چھوڑ کر مرج راہط پہنچ گئے۔ یہاں رومیوں کے ایک لشکر نے حضرت خالدؓ کا زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ مرج راہط سے حضرت خالدؓ وادیِ یرموک کے دَرّے ورعا میں داخل ہوئے اور جبل حوران کے دامن میں چلتے چلتے شام میں پہلے سے موجود اسلامی لشکر سے جا ملے۔ درعا کے قریب ایک زبردست رومی لشکر موجود تھا اور اس کے شان گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی دشمن صحرائے حمد سے گزر کر اس کے عقب میں پہنچ سکتا ہے۔ رومیوں کو حضرت خالدؓ کی آمد کا علم ہوا تو مبہوت ہو گئے اور ان کے مقابل ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کسی مزاحمت کے بغیر اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح کو شام پر یلغار کرنے والی چاروں فوجوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ حضرت خالدؓ پہنچے تو حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام افواج کی قیادت ان کے سپرد کردی۔ ابن اثیرؒ اور بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے بصریٰ کے شہر پر حملہ کیا۔ بصریٰ کا بطریق (جو وہاں کا حاکم بھی تھا) ایک ہی جھڑپ میں ہمت ہار بیٹھا اور جزیہ دینا منظور کرکے مسلمانوں سے صلح کرلی۔

اُدھر ہرقل (قیصرِ روم) کو شام میں مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس نے ان کے مقابلے کے لیے الگ الگ فوجیں روانہ کیں تاکہ اسلامی فوجیں باہم ملنے نہ پائیں۔ رومی فوجوں کی قیادت دو آزمودہ کار جرنیل قبقلار اور تذارق کر رہے تھے۔ ان دونوں نے فلسطین کے ایک مقام اجنادین میں پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے فلسطین کی تسخیر پر حضرت عمرؓو بن العاص کو مامور کیا تھا وہ اس وقت عربات میں تھے۔ انہیں رومی فوجوں کی آمد کی اطلاع ملی تو اجنادین کی طرف بڑھے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی بصریٰ کی مہم سر کرکے ان کی مدد کو پہنچ گئے۔

جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری میں اجنادین کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان دو دن تک گھمسان کی جنگ ہوئی، جس میں تذارق اور قبقلار دونوں مارے گئے اور رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔

اجنادین میں رومیوں کو شکست دینے کے بعد حضرت خالدؓ نے اس رومی لشکر کی جانب توجہ کی، جو درعا کے قریب جبل دروز کے سلسلے اور دریائے یرموک کی گہری پہاڑی وادی کے درمیان گھاٹی میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ اس کو نظر انداز کرکے شام کے دارالحکومت دمشق کی جانب بڑھنا بہت مشکل اور خطرناک تھا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو بئر شیبا میں چھوڑا اور باقی فوجوں کو لے کر بڑی سرعت کے ساتھ درعا پہنچ گئے۔ یہاں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی جو رومیوں کی شکست پر منتج ہوئی اور وہ درعا سے پسپا ہوگئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں کے لیے دمشق کا راستہ صاف ہوگیا جو وہاں سے صرف ۶۵ میل دور تھا۔

یہ یرموک کی پہلی جنگ تھی، جو ابھی جاری تھی کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ وفات پاگئے اور ان کی جگہ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔

اثنائے جنگ میں مدینہ منورہ سے قاصد پہنچا، جس نے مسلمانوں کو حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی وفات اور حضرت عمر فاروقؓ کے خلیفہ بننے کی خبر دی۔ یہی قاصد حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان بھی لایا کہ اب سے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح محاذِ شام کی اسلامی افواج کے سپہ سالارِ اعلیٰ (کمانڈر انچیف) ہوں گے اور حضرت خالدؓ بن ولید ان کی نیابت میں کام کریں گے۔ اس فرمان کا اعلان فتح کے بعد کیا گیا۔ حضرت خالدؓ نے بڑی خوشی سے اسلامی فوجوں کی کمان حضرت ابوعبیدہؓ کے سپرد کر دی۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شام کی مشہور جنگوں کے زمانۂ وقوع کے بارے میں مؤرّخین میں سخت اختلاف ہے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ کے سالِ عزل کے بارے میں بھی مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند نشین خلافت ہوتے ہی (۱۳ ہجری میں) حضرت خالدؓ کو معزول کر دیا اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ ان کی معزولی ۱۷ ہجری میں ہوئی۔ اس سلسلے کی تمام روایات کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فی الحقیقت حضرت خالدؓ کی معزولی دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۱۳ ہجری میں ان کا مرتبہ (Rank) کم کیا گیا تاہم وہ حضرت ابوعبیدہؓ کے نائب یا فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت سے برابر کام کرتے رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۷ ہجری میں ان کو مکمل طور پر معزول کر دیا گیا بہ الفاظ دیگر ان کو افسری کے منصب سے ہٹا کر ایک عام سپاہی بنا دیا گیا۔

پہلی مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا مرتبہ اس لیے کم کیا کہ وہ امین الاُمّت حضرت ابوعبیدہؓ بن الجرّاح کو سپہ سالارِ اعظم کے عہدہ کے لیے حضرت خالدؓ سے زیادہ موزوں سمجھتے تھے اس لیے کہ حضرت خالدؓ بعض اوقات حد سے زیادہ خود اعتمادی یا جوشِ شجاعت میں کوئی ایسا قدم اٹھا لیتے تھے جو بہ ظاہر احتیاط کے تقاضوں کے خلاف ہوتا تھا۔

دوسری مرتبہ ان کی معزولی جن اسباب کی بنا پر عمل میں آئی، ان کا ذکر اپنے مقام پر آگے آئے گا۔ جہاں تک لڑائیوں کی ترتیب کا تعلق ہے ہم نے انہیں اپنی تحقیق کے مطابق بیان کیا ہے۔ ہماری تحقیق اور بیان کردہ ترتیب سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان تمام لڑائیوں کا ۱۳ ہجری سے ۱۷ ہجری کے درمیانی زمانے میں آگے یا پیچھے پیش آنا ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان لڑائیوں میں حضرت خالدؓ نے ایک اعلیٰ فوجی افسر کی حیثیت سے

بھر پور اور نمایاں حصہ لیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے بیش تر جنگیں (بالخصوص دوسری جنگ یرموک) انہی کے منصوبوں اور حکمت عملی کے مطابق لڑی گئیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ ان کو اپنا نائب نہیں بلکہ بھائی سمجھتے تھے اور جنگی کارروائیوں کے سلسلے میں ان کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔

پہلی جنگ یرموک کے بعد مسلمان دمشق کی طرف بڑھے اور چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کرلیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ باب الجابیہ کے سامنے خیمہ زن ہوئے، حضرت عمروؓ بن العاص بابِ توما پر، حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ باب الفرادیس پر اور حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ باب کیسان پر متعین ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک خالی خانقاہ میں ڈیرہ ڈالا جو ان کے قیام کی نسبت سے "دیر خالد" مشہور ہوگئی۔ اگرچہ دمشق کی سردی عرب مجاہدین کے لیے ناقابلِ برداشت تھی لیکن انہوں نے بڑے عزم و ثبات سے محاصرہ جاری رکھا۔ یہ محاصرہ باختلاف روایت دو ماہ دس دن، تین ماہ یا چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں اہل دمشق کو شہر سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوئی البتہ وہ فصیل پر سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہتے تھے۔ ایک رات کو ان کی طرف سے بہت کم سرگرمی دیکھنے میں آئی۔ حضرت خالدؓ اکثر رات رات بھر بیدار رہتے تھے اور فوجی انتظامات کے ساتھ ساتھ دشمن کی نقل و حرکت کی ٹوہ لگانے میں مشغول رہتے تھے۔ اس رات کو انہیں شہر کے اندر کوئی ہنگامہ اور شور و غل سنائی نہ دیا تو اپنے ذرائع سے اس کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کی۔ پتہ چلا کہ دمشق کے بطریق کے گھر لڑکا پیدا ہوا تھا۔ اس خوشی میں اس نے آج اہل شہر کی ضیافت کی تھی۔ انہوں نے دعوت میں خوب شراب پی اور شام ہی سے مدہوش پڑے ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی حضرت خالدؓ اپنی خاص فوج کے ساتھ شہر پناہ کی طرف بڑھے اور پانی سے لبریز خندق کو عبور کر کے شہر پناہ کے نیچے پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ چند مجاہدین کے ساتھ کمند کے ذریعہ شہر پناہ کی دوسری طرف اتر گئے اور پہریداروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی باہر کھڑی فوج ریلا کر کے شہر میں داخل ہوگئی۔ اہلِ دمشق ابھی تک مدہوش پڑے تھے اس ناگہانی حملہ سے حواس باختہ ہوگئے۔ خود ہی شہر کے دوسرے دروازے کھول دیے اور حضرت ابوعبیدہؓ سے صلح کی درخواست کی، جو انہوں نے منظور کر لی۔ اب کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف سے حضرت ابوعبیدہؓ صلح منظور کر کے شہر کے اندر بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف سے حضرت خالدؓ

فاتحانہ پیش قدمی کر رہے تھے۔ شہر کے وسط میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ چوں کہ حضرت ابوعبیدہؓ صلح منظور کر چکے تھے اس لیے حضرت خالدؓ نے بھی تلوار نیام میں کر لی۔

بعض مؤرّخین نے (جن میں فرانسیسی محقق گستاؤلی بان مصنف ''تمدّن عرب'' بھی شامل ہے) لکھا ہے کہ دمشق عین اس روز فتح ہوا، جس روز حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے وفات پائی۔ لیکن یہ روایت قابل اعتنا نہیں ہے کیوں کہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی تاریخ وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری ہے جب کہ دمشق رجب ۱۴ ہجری میں فتح ہوا۔

مختلف مؤرّخین نے محاصرہ دمشق کے دوران میں مسلمانوں کو پیش آنے والے کئی واقعات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن ان کے بیانات میں سخت اختلاف ہے اور یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ واقعہ کی اصل صورت کیا تھی۔ اس قسم کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) ہرقل نے ایک لشکر دمشق کے محصورین کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر اس لشکر کا رستہ روک لیا اور اسے دمشق نہیں پہنچنے دیا۔

(۲) ہرقل کے امدادی لشکر کو روکنے کے لیے حضرت خالدؓ نے حضرت ضرارؓ بن الازور کو پانچ سو سوار دے کر بھیجا۔ حضرت ضرارؓ دشمن کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اس کی تعداد بہت زیادہ (تقریباً دس بارہ ہزار) ہے۔ حضرت ضرارؓ جوش شجاعت میں اس لشکر سے بھڑ گئے۔ شومیِ قسمت سے ان کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر گئے۔ رومیوں نے انہیں اور کچھ دوسرے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ حضرت خالدؓ کو حضرت ضرارؓ کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو انہوں نے میسرہؓ بن مسروق کو ایک ہزار جوانوں کے ساتھ دمشق گئے مشرقی دروازے پر چھوڑا اور اپنی باقی فوج کو ساتھ لے کر حضرت ضرارؓ اور دوسرے اسیر مسلمانوں کو رومیوں کے پنجے سے چھڑانے کے لیے روانہ ہوئے۔ انہوں نے برق رفتاری سے چل کر رومی لشکر کو جالیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے مورچہ بند ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ کو معلوم ہوا کہ رومی سپہ سالار نے مسلمان اسیروں کو سو سواروں کی حفاظت میں حمص روانہ کر دیا ہے۔ حضرت خالدؓ نے رافع بن عمیرہ طائی کو سو سوار دے کر حمص کی جانب روانہ کیا کہ وہ اسیر مسلمانوں کو رومیوں سے چھڑا لائیں۔ رافعؓ رومیوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور بہت جلد ان کے سر پر جا پہنچے۔ رومیوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے انہیں آناً فاناً کاٹ کر رکھ دیا اور حضرت ضرارؓ اور ان

کے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر حضرت خالدؓ کے لشکر میں آ ملے۔ دوسرے دن حضرت خالدؓ نے رومی لشکر پر حملہ کیا اور اس کو شکست دے کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

(۳) حضرت ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر اجنادین میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہے۔ انہوں نے دمشق کا محاصرہ عارضی طور پر اٹھا لیا اور اجنادین پہنچ کر رومیوں کو تباہ کن شکست دی۔ اس لڑائی میں حضرت خالدؓ نے نمایاں حصہ لیا اور ہر مرحلہ پر دوسرے افسروں کو مناسب ہدایات دیتے رہے۔ اس لڑائی سے فارغ ہو کر دوبارہ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

(۴) حضرت ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ ہرقل نے ایک رومی جرنیل ورنجار کی سرکردگی میں ایک بڑی فوج اہلِ دمشق کی مدد کے لیے بھیجی ہے اور یہ فوج مرج الصفر کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو پیچھے چھوڑا اور باقی فوج کو ساتھ لے کر دشمن کی طرف بڑھے۔ حضرت خالدؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ مرج الصفر کے مقام پر فریقین میں خون ریز لڑائی ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے رومی لشکر کا میسرہ برباد کر دیا اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے اس کے میمنہ کے قدم اکھاڑ دیے۔ اس طرح رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی اور مسلمانوں نے مظفر و منصور واپس آ کر پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

اسی قسم کے کچھ اور واقعات بھی مختلف کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان واقعات کا ہونا بعید از قیاس نہیں لیکن یہ کب ہوئے اور ان کی ترتیب کیا تھی اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اصل میں چار پانچ سال کے عرصے میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان اس کثرت سے لڑائیاں ہوئیں کہ ان کے واقعات ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو گئے۔ بہر صورت حضرت خالدؓ نے ان میں سے بیشتر معرکوں میں دادِ شجاعت دی اور فریقِ مخالف کو لوہے کے چنے چبوا دیے۔

(۱۴)

دمشق کی فتح سے رومیوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ انہوں نے اُردن کے شہر بیسان میں جمع ہو کر زور شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ہرقل نے دمشق کے محصورین کے لیے، جو فوجیں بھیجی تھیں اور دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں، وہ بھی بیسان پہنچ گئیں۔ اس طرح چالیس پچاس

ہزار کا لشکر جمع ہوگیا، جن کا سپہ سالار سکلار نامی ایک رومی افسر تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو اس اجتماع کی خبر ملی تو وہ اور حضرت خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ اردن کی طرف بڑھے اور بیسان کے سامنے ایک مقام فحل (Pella) میں پڑاؤ ڈالا۔ رومیوں نے مسلمانوں کی ہمت اور استقلال کو دیکھ کر صلح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذؓ کو مرعوب کرنا چاہا لیکن حضرت معاذؓ نے شانِ بے اعتنائی سے جواب دیا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو ہمارے بھائی ہو، یہ منظور نہیں تو جزیہ دو ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ تم ہمیں تعداد سے ڈراتے ہو، اگر تمہاری تعداد آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوتو کچھ پروا نہیں۔ ہمارا اللہ فرماتا ہے کہ کبھی تھوڑے بھی بہتوں پر غالب آجایا کرتے ہیں۔

غرض شرائطِ صلح پر اتفاق نہ ہوسکا اور حضرت معاذؓ واپس آگئے۔ دوسرے دن رومیوں نے اپنا قاصد حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس بھیجا۔ اس نے پیش کش کی کہ ہم تمہاری فوج کو دو دو دینار فی کس دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ پیش کش رد کردی اور فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا لیکن رومی مقابلے پر نہ آئے۔ دوسرے دن حضرت خالدؓ اپنا سوار دستہ لے کر میدان میں نکلے۔ رومیوں نے اپنی فوج کے تین حصے کیے اور انہیں باری باری میدان میں بھیجا۔ ان کا پہلا دستہ حضرت خالدؓ کی طرف بڑھا تو انہوں نے قیسؓ بن ہبیرہ کو اشارہ کیا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے مقابل ہوں وہ فوراً ان پر جھپٹ پڑے اور میدانِ کارزار گرم ہوگیا۔ اب رومیوں کا دوسرا دستہ میدان میں نکلا، حضرت خالدؓ کے حکم سے میسرہ بن مسروقؓ نے اس کو روکا۔ اس کے ساتھ ہی رومیوں کی فوج کا تیسرا حصہ جو سب سے بڑا تھا آگے بڑھا، حضرت خالدؓ نے اس کا حملہ بڑے استقلال سے سنبھالا۔ دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ رومیوں پر تھکاوٹ کے آثار طاری ہونے لگے۔ حضرت خالدؓ نے ان کی کمزوری کو بھانپ لیا اور اپنی فوج کو للکار کر کہا کہ رومی اپنا زور لگا چکے اب تمہاری باری ہے۔ ان کی للکار سن کر مسلمانوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ رومی پسپا ہوکر اپنے مورچوں میں چلے گئے۔ اب رات ہوچکی تھی اس لیے مسلمان واپس آگئے۔ دوسرے دن فریقین میں پھر گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت خالدؓ نے دشمن کا میمنہ برباد کردیا اور اس کے گیارہ

بڑے بڑے افسر مار ڈالے، قیس بن ہبیرہ نے رومیوں کے میسرہ کو شکست دی اور ہاشمؓ بن عتبہ لڑتے بھڑتے دشمن کے قلب لشکر تک پہنچ گئے۔ یہاں دیر تک اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ تمام میدان میں خون کے نالے بہہ نکلے۔ آخر رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس معرکہ کے بعد اردن کے دوسرے تمام شہر اور مقامات آسانی سے فتح ہو گئے۔

اب اسلامی افواج حمص کی طرف بڑھیں۔ یہ شام کا ایک اہم شہر تھا۔ ہرقل کو خبر ہوئی تو اس نے ایک زبردست فوج دمشق کی طرف روانہ کی تاکہ وہ مسلمانوں کو حمص تک پہنچنے کا موقع نہ دے اور ممکن ہو تو دمشق سے مسلمانوں کو نکال کر اس پر قابض ہو جائے۔ اس فوج کا سپہ سالار توذر نامی ایک بطریق تھا۔ توذر نے دمشق کے مغرب میں مرج الروم کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ توذر کے پیچھے ہرقل نے ایک اور فوج اس کی مدد کے لیے بھیجی، اس کا سپہ سالار ایک رومی جرنیل شنس تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو توذر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا اور خود شنس کے مقابلہ پر گئے۔ توذر مرج الروم سے دمشق کی طرف بڑھا تو حضرت خالدؓ اس کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ حاکم دمشق کو جونہی توذر کی پیش قدمی ملی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ اس کو روکنے کے لیے نکلے۔ دمشق کے قریب طرفین میں سخت معرکہ ہوا اسی اثناء میں حضرت خالدؓ نے عقب سے توذر پر حملہ کر دیا۔ اس طرح دونوں طرف سے اسلامی فوجوں نے رومیوں کو تباہ کر ڈالا۔ معدودے چند کے سوا سب رومی میدانِ جنگ میں کھیت رہے، ان میں توذر بھی شامل تھا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے مرج الروم کے قریب شنس کو روک لیا اور ایک سخت لڑائی کے بعد اس کو شکست دی۔ شنس بے شمار رومیوں سمیت مارا گیا جو بچ گئے انہوں نے بھاگ کر حمص میں پناہ لی۔

توذر اور شنس سے نبٹنے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص کی طرف پیش قدمی کی۔ حضرت خالدؓ بن ولید اپنے رسالے کے ساتھ آگے آگے تھے۔ راستے میں بقاع اور بعلبک کے شہر آئے۔ اہل بقاع نے تو کسی مزاحمت کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ البتہ اہل بعلبک نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن حضرت خالدؓ نے ان پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ فوراً گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت خالدؓ حمص سے چند میل کی مسافت پر تھے کہ رومیوں کی ایک بڑی فوج حمص سے نکل کر ان کے مقابل ہوئی لیکن حضرت خالدؓ کے پہلے ہی حملہ میں اُس کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر شہر میں گھس گئی۔ حضرت خالدؓ نے میسرہؓ بن مسروق کی سرکردگی میں ایک دستہ آگے بڑھایا۔ راستے میں رومیوں کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے جتھوں سے ان کا مقابلہ ہوا۔ ایسی تمام جھڑپوں میں مسلمان کامیاب رہے اور حمص کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ حضرت میسرہؓ بن مسروق کے پیچھے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالدؓ بھی حمص کے باہر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کے بڑے دروازے ''رستن'' کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور شہر کے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔

ہرقل پہلے حمص ہی میں مقیم تھا لیکن تو ذرا اور شنس مارے گئے تو وہ حمص سے ارہا چلا گیا اور وہاں سے اہل جزیرہ کو اہل حمص کی امداد کا حکم بھیجا۔ چنانچہ جزیرہ سے ایک زبردست لشکر اہل حمص کی مدد کے لیے روانہ ہوا لیکن حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے جو عراقِ عرب کی مہم پر مامور تھے کچھ فوج بھیج دی جس نے اس لشکر کو روک لیا اور آگے نہ بڑھنے دیا۔

جس زمانے میں مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ کر رکھا تھا شدید سردی پڑ رہی تھی۔ اہل حمص کا خیال تھا کہ عرب لوگ اتنی شدید سردی برداشت نہ کرسکیں گے اور کھلے میدان میں زیادہ عرصہ ٹھہرنا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا لیکن اُن کا خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمانوں نے بڑے عزم وثبات کا ثبوت دیا اور نہایت سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ آخر رومی ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی درخواست کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلمان بعض جگہوں سے شہر پناہ کو منہدم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس پر رومیوں نے گھبرا کر اطاعت قبول کرلی اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

حمص کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ وہیں مقیم ہوگئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اردن میں قیام کیا اور حضرت خالدؓ ایک ہزار سواروں کے ساتھ دمشق چلے گئے۔

(۱۵)

رومیوں کی پیہم شکستوں نے ہرقل کو سخت برافروختہ کیا اور اس نے تہیّہ کرلیا کہ سلطنت کا پورا زور صرف کر کے عربوں کو شام سے نکال دے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام مقبوضات

آرمینیہ، الجزیرہ، قسطنطنیہ وغیرہ سے فوجیں طلب کیں جو سب انطاکیہ میں جمع ہو گئیں ان میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور جرنیل شامل تھے، یہاں تک کہ گوشہ نشین راہب اور پادری بھی اپنی اپنی خانقاہوں اور گرجوں سے نکل کر اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مذہب کا واسطہ دے کر رومیوں میں جوش پیدا کرتے تھے۔ یہ جرار لشکر انطاکیہ سے چلا تو ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ مسلمانوں کو دو لاکھ سے زائد جنگجوؤں پر مشتمل اس لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے باہمی مشورے سے فیصلہ کیا کہ شام کے جن جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے وہاں سے فوجیں ہٹالی جائیں اور یہ تمام فوجیں ایک جگہ جمع ہو کر رومیوں کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی دربارِ خلافت سے مدد طلب کی جائے۔ اس فیصلے کے مطابق مسلمانوں نے حمص، دمشق وغیرہ شہروں کو خالی کیا تو وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی وہ ساری رقمیں جو ان سے وصول کی تھیں یہ کہہ کر واپس کر دیں کہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ پابندیِ عہد اور رواداری کی ایسی مثال دنیا کی کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کا یہی اخلاق تھا، جس نے بدترین دشمنوں کے دلوں کو بھی مسخر کر لیا۔ اس حسن سلوک سے ان شہروں کے عیسائی اور یہودی اتنے متاثر ہوئے کہ روتے تھے اور دُعائیں کرتے تھے کہ خدا ان لوگوں (مسلمانوں) کو جلد واپس لائے۔

تمام اسلامی فوجیں شام کے شہروں سے نکل کر وادیِ یرموک میں رومی لشکر کے سامنے پہنچ گئیں۔ رومی لشکر کا پڑاؤ اُس میدان میں تھا، جو دریائے یرموک اور دریائے اُردن کے سنگم سے تیس میل اوپر دریائے یرموک کے نصف دائرے کی صورت میں چکر کاٹنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت کی جانب واقوصہ کی تنگ گھاٹی تھی سامنے واقوصہ کی وادی تھی اور پہلو میں دریائے یرموک تھا۔ اس طرح یہ لشکر تین سمتوں سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔ اسلامی لشکر اس کے بالکل سامنے آ کر خیمہ زن ہوا۔ رومیوں کے خیال میں انہوں نے اپنے پڑاؤ کے لیے بہترین جگہ منتخب کی تھی لیکن یہ جگہ اسی صورت میں بہترین ثابت ہو سکتی تھی جب انہیں فتح ہو۔ شکست کی صورت میں یہ جگہ ان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ بات ان کے سان گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس اتنا جرار لشکر شکست سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ رومیوں کی جائے قیام دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے:

ایّھاالنّاس ابشروا حصرت واللّٰہ الروم وقل ما جاء محصورٍ بخیرٍ

(لوگو! خوش خبری ہو، خدا کی قسم رومی محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہے)

مسلمانوں نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا وہ عسکری نقطۂ نگاہ سے بہترین مقام تھا۔ وہاں سے وہ مرکزِ خلافت سے رابطہ قائم رکھ سکتے تھے اور ان کو کمک اور رسد بھی بآسانی پہنچ سکتی تھی۔ شکست کی صورت میں وہ صحرا کی جانب پسپا بھی ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس رومیوں کے لیے شکست کی صورت میں کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ دوڈھائی لاکھ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کل تعداد (مل ملا کر) چھیالیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ اس سے پہلے شام کے تمام معرکوں میں مسلمانوں نے رومیوں کی جو درگت بنائی تھی اس کے پیش نظر اپنی کثرتِ تعداد اور ساز و سامان کے باوجود رومی دل سے چاہتے تھے کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے اور مسلمان کچھ لے دے کر واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ان کے سپہ سالار بار ہان نے مسلمانوں کو پیش کش کی کہ وہ روپے لے لیں اور واپس چلے جائیں لیکن مسلمانوں نے یہ پیش کش ردّ کر دی اور جنگ ناگزیر ہو گئی۔ دونوں فوجیں باختلاف روایت دو ماہ، تین ماہ یا پانچ ماہ تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ اس دوران میں چھوٹی موٹی جھڑپیں تو ہوتی رہیں لیکن بڑی جنگ کی نوبت نہ آئی۔ بالآخر جمادی الاخری یا رجب ۱۵ ہجری میں طرفین پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کے ۳۶ (بہ روایت دیگر ۳۸ یا چالیس) دستے بنا دیے تاکہ دشمن کو اس کی تعداد اصل سے زیادہ نظر آئے۔ ان دستوں کے سردار ایسے لوگ تھے جو شجاعت اور جواں مردی میں اپنا جواب آپ تھے۔ مثلاً حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی، ہاشمؓ بن عتبہ، ضرارؓ بن الازور، عکرمہؓ بن ابی جہل، عبدالرحمٰنؓ بن خالد وغیرہ۔ قلب میں اٹھارہ دستے تھے جن کی قیادت حضرت ابوعبیدہؓ کر رہے تھے، میمنہ کے دس دستوں کی قیادت حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کر رہے تھے اور میسرہ کے دس دستوں پر حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ افسر تھے۔ حضرت خالدؓ کے پاس رسالے کی کمان تھی۔ اس کے ساتھ لڑائی کی منصوبہ بندی اور عمومی نگرانی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود فوج کے سامنے سورۂ انفال کی تلاوت کرتے تھے

اور حضرت ابوسفیانؓ قاص کی خدمت انجام دیتے تھے یعنی مجاہدین کے سامنے کھڑے ہوکر ان کا جوشِ جہاد تازہ کرتے تھے۔ وہ ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے:

''تم جواں مردانِ عرب ہو اور اسلام کے مددگار۔ وہ جواں مردانِ روم ہیں اور شرک کے مددگار۔
اے اللہ آج کا دن معرکہ کا دن ہے۔ اے اللہ اپنی مدد اپنے بندوں پر نازل فرما۔''

لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ متفرق ہوکر لڑیں۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پابند کر دیا تھا کہ وہ قلب، میمنہ اور میسرہ کے سرداروں سے احکام حاصل کریں اور انہی کے مطابق عمل کریں۔

اسلامی لشکر میں ایک ہزار صحابۂ کرامؓ بھی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے۔ جب حضرت خالدؓ صفیں قائم کر رہے تھے، ایک شخص کے منہ سے نکل گیا، رومیوں کے مقابلہ میں ہماری تعداد بہت کم ہے۔ حضرت خالدؓ غضب ناک ہوکر بولے:

''چپ رہ، فتح وشکست کا تعلق سپاہ کی کثرت یا قلتِ تعداد سے نہیں بلکہ اللہ کی تائید سے ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے کے سُم درست ہوتے تو میں کہتا کہ رومی اتنی ہی تعداد اور بڑھالیں۔''

صفیں مرتب کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی اور حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو حکم دیا کہ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ آور ہوں۔ وہ دونوں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ رجز یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس کے ساتھ ہی گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی جو تین (بہ روایت دیگر کئی) دن تک پوری شدّت سے جاری رہی۔ مؤرخین نے اس جنگ کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں لیکن ان کی ترتیب میں اختلاف ہے۔ کسی نے کوئی واقعہ پہلے دن کی لڑائی کے ذیل میں لکھا ہے تو دوسرے نے وہی واقعہ دوسرے یا تیسرے دن کے واقعات میں شامل کیا ہے۔ ترتیب سے قطع نظر چند اہم واقعات کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) حضرت خالدؓ نے ایک دن صرف ساٹھ شہسواروں کا ایک رسالہ مرتب کیا اور رومی لشکر میں شامل ساٹھ ہزار عرب عیسائیوں کی فوج پر اس انداز سے حملہ کیا کہ کبھی اس کے ایک حصے پر جا پڑتے تھے اور کبھی دوسرے پر۔ اس طرح انہوں نے شام تک دشمن کو مصروف رکھا اور اپنے

بڑے لشکر کی طرف بڑھنے نہ دیا۔ اس عجیب وغریب لڑائی میں دشمن کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے جب کہ مسلمانوں کے صرف دس آدمی شہید ہوئے اور پانچ دشمن کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ حضرت خالدؓ نے دوسرے دن ان قیدیوں کو رہا کرالیا۔

(۲) رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں کہ پیچھے ہٹنے یا بھاگنے کا خیال تک نہ آئے۔ ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیبیں لیے آگے آگے تھے اور اپنی فوج کو جوش دلاتے جاتے تھے۔

(۳) لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم جاری کیا کہ تمام افسر حضرت خالد بن ولید کے حکم کی تعمیل کریں۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے تمام فوج کا معائنہ کیا۔ جس علم کے پاس پہنچتے اس کے جوانوں کو یوں خطاب کرتے:

> ''مسلمانو! فتح ثابت قدمی ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ کمزوری کا نتیجہ ہمیشہ بربادی ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جو ثابت قدمی سے کام لے گا اسی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ کمزوری انہی کو لاحق ہوتی ہے، جو باطل کے پرستار ہوتے ہیں۔ حق کے علم بردار کبھی کمزوری نہیں دکھاتے کیوں کہ ان کو اپنے اللہ پر بھروسا ہوتا ہے۔ وہ حدودِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ شہید ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرلیں گے۔''

(۴) پہلے دن ایک رومی بطریق نے اپنی صفوں سے نکل کر مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت خالدؓ نے قیسؓ بن ہبیرہ کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے مقابلے پر جائیں۔ قیسؓ بن ہبیرہ نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں رومی بطریق کو ڈھیر کردیا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا، ابتدا مبارک ہوئی بس اب فتح ہے۔

(۵) رومی سپہ سالار باہان نے جرجہ (جارج) نامی ایک قاصد حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اپنے کسی معزز افسر کو گفتگوئے صلح کے لیے ہمارے پاس بھیجیں۔ جرجہ جس وقت اسلامی لشکر میں پہنچا شام ہو چکی تھی۔ ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی نماز باجماعت کے روح پرور نظارے نے جرجہ کا دل نورِ ایمان سے منور کردیا۔ مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تو جرجہ حضرت ابوعبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے چند

سوالات کیے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا، ہمارا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے:

"اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور نہ اللہ کے بارے میں۔ جو کچھ کہو، حق کہو۔ عیسیٰؑ بن مریمؑ محض خدا کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اس نے مریمؑ کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو، اس کو چھوڑ دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اللہ معبود واحد ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، سب اسی کا ہے۔ نہ مسیح خدا کا بندہ ہونے سے عار محسوس کرتے ہیں اور نہ مقرب ملائکہ اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار محسوس کرے اور تکبّر سے کام لے تو لوگ سن لیں کہ اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔"

جرجہ حضرت ابوعبیدہؓ کا جواب سن کر بے اختیار پکار اٹھا کہ بے شک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بے شک تمہارا پیغمبر سچا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا خیال نہ ہو، اس کو مجبور کیا کہ اس وقت واپس جاؤ اور کل یہاں سے جو سفیر جائے اس کے ساتھ آ جاؤ۔ (الفاروق۔ شبلی نعمانیؒ)

مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ (نواب صدر یار جنگ) نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدّیقؓ" میں اس واقعے کو بالکل دوسرے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"دورانِ کارزار میں رومیوں کا سردار جرجہ بن توذر میدان میں آیا اور للکار کر کہا، خالد میرے سامنے آئیں۔ حضرت خالدؓ آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے۔ اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی بعد ازاں اس قدر مل کر کھڑے ہوئے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔

جرجہ: خالد سچ کہنا جھوٹ مت بولنا، آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا۔ فریب شرفاء کا شیوہ نہیں، میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمہارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو۔

حضرت خالدؓ: نہیں۔

جرجہ: پھر تمہارا لقب سیف اللہ کیوں ہے؟

حضرت خالدؓ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ہمارے پاس بھیجا انہوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے۔ بعض نے تصدیق کر کے پیروی اختیار کی۔ بعض دُور دُور رہ کر جھٹلاتے رہے۔ میں ان میں تھا جو تکذیب پر قائم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دیے، گردنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔ میں نے بھی نبی ﷺ کی اطاعت قبول کی، اس وقت ارشاد ہوا:

''اے خالد تو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، جو مشرکین کے مقابلے کے لیے نیام سے نکلی ہے۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔

جرجہ: تم نے سچ کہا اب یہ بتاؤ کہ دعوت اسلام کیا ہے؟

حضرت خالدؓ: اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس پیغام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لائے۔

جرجہ: اگر اس کو کوئی نہ مانے۔

حضرت خالدؓ: جزیہ دے۔

جرجہ: یہ بھی قبول نہ کرے۔

حضرت خالدؓ: ہم اعلانِ جنگ کریں گے۔

جرجہ: جو تم میں شامل ہو، اس کا مرتبہ؟

حضرت خالدؓ: اللہ کا فرمان ہے کہ سب مسلمان درجے میں برابر ہیں۔ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ۔ اوّل ہوں یا آخر۔

جرجہ: جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا؟

حضرت خالدؓ: برابر ہوگا بلکہ افضل۔

جرجہ: یہ کس طرح

حضرت خالدؓ: ہم نے جب اسلام قبول کیا، رسول اللہ ﷺ حیات تھے۔ نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ آپؐ احکام آسمانی کی خبر دیتے تھے۔ ہم معجزات وتصرّفات کا مشاہدہ کرتے

تھے۔ اس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم ان باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو ہم سے افضل ہو۔

جرجہ: تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے پورا سچ کہا، دھوکا نہیں دیا، تالیف قلب نہیں کی۔

حضرت خالدؓ: واللہ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہے جو تم نے پوچھا اس کا سچا جواب میں نے دے دیا۔ اللہ میرا مددگار ہے۔

جرجہ: بے شک تم نے سچ کہا۔

یہ کہہ کر اپنی ڈھال پس پشت ڈال دی اور کہا مجھ کو اسلام کی تلقین کرو۔

حضرت خالدؓ اس کو اپنے خیمے میں لے گئے، اوّل غسل دیا پھر تلقین اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بنا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلّہ کر دیا۔ جس وقت حضرت خالدؓ جرجہ کو لے کر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالدؓ نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے ہلّہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدانِ جنگ یکساں گرم رہا انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارے سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابل دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالدؓ کے پہلو بہ پہلو نشۂ ایمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں شہادت سے کامیاب ہوئے اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغاز اسلام کا نیاز تھی سرخ رُو اپنے رب کے حضور میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ

(۲) جرجہ کی سفارت کے جواب میں دوسرے دن حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو سفیر بنا کر باہان کے پاس بھیجا۔ باہان نے اپنی شان وشوکت اور فوجی کثرت وقوت کے مظاہرے کا خاص اہتمام کیا۔ راستے میں دونوں جانب پیدل فوج کی دس دس صفیں تھیں اور ان کے پیچھے سواروں کی نہایت طویل قطاریں تھیں۔ یہ تمام سپاہی زرہ پوش اور پوری طرح مسلّح تھے۔ حضرت خالدؓ پر اس مظاہرے کا کوئی اثر نہ ہوا وہ رومیوں کے درمیان سے اس طرح گزرے جیسے بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کے درمیان سے شیر گزرتا ہے۔ باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اس نے بڑے احترام سے استقبال کیا

اور خیمے میں لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے پہلے کچھ رسمی باتیں ہوئیں اس کے بعد باہان نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف سے کیا اور پھر کہا:

''ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے اور ہماری قوم دنیا کی تمام قوموں سے بہتر قوم ہے۔''

حضرت خالدؓ نے قطع کلام کر کے فرمایا:

''تم اپنے بادشاہ کو جو چاہو سمجھو لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اگر اس کے دل میں ایک لحظہ کے لیے بھی بادشاہی کا خیال آئے تو ہم اس کو فوراً معزول کر دیں۔''

باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے ملک کی خوشحالی اور دولت کا ذکر کر کے کہا:

''اہلِ عرب آزادی کے ساتھ اس ملک میں آتے جاتے تھے۔ ان میں سے جو یہاں آباد ہو گئے ہم نے ان کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ برتاؤ کیا۔ لیکن تم لوگ ہمارے ممنون ہونے کی بجائے اس ملک پر چڑھ دوڑے۔ تم کو معلوم نہیں کہ تم سے پہلے کئی اور قوموں نے اس ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کیا لیکن سب نے منہ کی کھائی۔ پھر تم جیسی جاہل، وحشی اور بے سروسامان قحط زدہ قوم اس ملک کو کیا فتح کرے گی۔ شاید تم افلاس اور قحط سالی سے مجبور ہو کر اس ملک میں داخل ہوئے ہو اس لیے ہم تمہاری جسارت سے درگزر کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم ہمارا ملک خالی کر دو تو ہم تمہارے سپہ سالار کو دس ہزار، ہر افسر کو ایک ایک ہزار اور ہر سپاہی کو سو سو دینار دلا دیں گے۔''

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضرت خالدؓ نے اس کے جواب میں حمد و نعت کے بعد فرمایا:

''تم نے اپنی قوم کے تمول اور جاہ و حشمت کا جو حال بیان کیا ہے، ہم اس کو جانتے ہیں، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا بھی ہمیں علم ہے لیکن یہ تمہارا احسان نہ تھا بلکہ یہ تم نے اپنی سلطنت اور مذہب کو فروغ دینے کے لیے کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ عیسائی ہو گئے اور آج وہ تمہارے ساتھ مل کر ہمارے خلاف لڑتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ ہم نہایت مفلس نادار اور خانہ بدوش تھے۔ ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ جو قوی ہوتا تھا وہ کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔ قبائل ایک دوسرے سے لڑ کر تباہ ہو جاتے تھے ہم نے اپنے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنا لیے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت بناتے تھے اور ان کو پوجتے تھے۔ اللہ نے ہم پر رحم کیا اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا۔ وہ ہم میں سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ پاک باز اور نیک سیرت تھا۔ اس نے ہمیں خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمیں تعلیم دی کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، بت پرستی کو چھوڑ دیں۔ اس کے بیوی اور اولاد نہ مانیں۔ اُس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم اس کے لائے ہوئے دین کو دنیا میں بھی پھیلائیں۔ جس نے اس دین کو مان لیا وہ ہمارا بھائی ہے۔ جو دین میں تو داخل نہ ہوا لیکن جزیہ دینا قبول کیا، ہم اس کی حفاظت کے ضامن ہیں۔ جس کو دونوں سے انکار ہو تو پھر وہ سمجھ لے کہ اس کا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو موت کو اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جیسے وہ زندگی کو۔ ملک خدا کا ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ انجام کار وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔''

باہان نے حضرت خالدؓ کی تقریر سن کر کہا:

''نہ ہم میں سے کوئی تمہارا دین قبول کرے گا اور نہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوگا۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔''

غرض گفتگوئے صلح ناکام ہوگئی اور حضرت خالدؓ اٹھ کر اپنے لشکر میں آ گئے۔

(۷) ایک موقعے پر رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ کو اس قدر دبایا کہ وہ فوج سے الگ ہو کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا یہاں تک کہ عورتوں کے خیموں تک پہنچ گیا۔ عورتوں نے اپنے مردوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان کو سخت غصّہ آیا۔ اسلام کی ان غیور بیٹیوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور پیچھے ہٹنے والوں سے پکار کر کہا، اگر تم اِدھر آئے تو یہ چوبیں تمہارے سر توڑ دیں گی۔ بعض خواتین انہی چوبوں کے ساتھ رومیوں پر پل پڑیں اور بہت سے رومیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ عورتوں کا جوشِ ایمان دیکھ کر پیچھے ہٹنے والے مجاہدین کے قدم جم گئے اور وہ بڑے جوش سے لڑنے لگے۔ عین اس وقت حضرت خالدؓ صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی کئی صفیں ابتر

کر دیں۔ لیکن ان کا دباؤ کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اب حضرت خالدؓ اسلامی میمنہ میں پہنچے، اس کی ترتیب از سرِ نو درست کی اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:

''مسلمانو! دشمن کا جوش و خروش اور بہادری تم دیکھ چکے۔ اب اس پر پوری قوّت سے ٹوٹ پڑو اللہ تمہیں کامیاب و کامران کرے گا۔''

حضرت خالدؓ کی للکار پر مسلمان دو چند جوش کے ساتھ لڑنے لگے۔ یکا یک حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور رومیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

''رومیو! میں کسی زمانے میں (قبولِ اسلام سے پہلے) خود رسول اللہ ﷺ سے لڑ چکا ہوں کیا آج تمہارے سامنے پسپا ہو جاؤں گا؟ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔'' ___ یہ کہہ کر اپنی فوج کی طرف دیکھا اور کہا:

''آؤ کون میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرتا ہے۔''

ان کی آواز پر چار سو جانباز آگے بڑھے اور ان کے ہاتھ پر مرنے کی بیعت کی اس کے بعد ان سرفروشوں نے حضرت خالدؓ کے خیمے کے سامنے نہایت بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔ حضرت عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر سے ملی۔ ابھی کچھ دم باقی تھا۔ حضرت خالدؓ نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور حلق میں پانی ٹپکا کر کہا:

''خدا کی قسم! عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم (بنومخزوم) شہادت سے محروم رہیں گے۔''(۱)

غرض حضرت عکرمہؓ اور ان کے ساتھی خود شہید ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی بھی ہلاک کر دیے۔ حضرت خالدؓ کے تابڑ توڑ حملوں نے بھی ان کا زور توڑ دیا اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت خالدؓ تعاقب کرتے ہوئے ان کے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے، جو اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

''میرے سر اور آنکھوں پر کپڑا ڈال دو کاش میں مسلمانوں کو آگے بڑھتے نہ دیکھ سکتا۔''

آخر درنجار مسلمانوں کے گھیرے میں آ گیا اور مارا گیا۔

---

(۱) یہ طبری کا بیان ہے۔ بعض دوسری روایتوں کے مطابق حضرت عکرمہؓ۔ جنگِ یرموک دوم (۱۵ھ) سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ انہوں نے پہلی جنگ یرموک (۱۳ھ) میں یا جنگ اجنادین (۱۳ھ) میں شہادت پائی۔

مختصر یہ کہ مسلسل تین دن تک فریقین میں خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ تیسرے دن رومیوں نے بار بار خوفناک حملے کیے لیکن مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے اور ہر حملے کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا بالآخر انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیے۔ نیزے سیدھے کر لیے اور سر بکف دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے قدم لڑکھڑا گئے۔ عین اس وقت قیس بن ہبیرہؓ جن کو حضرت خالدؓ نے فوج کا ایک حصہ دے کر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا، عقب سے نکلے اور رومیوں پر بجلی بن کر گرے۔ ساتھ ہی حضرت سعیدؓ بن زید قلب لشکر سے نکل کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان حملوں سے رومی حواس باختہ ہو گئے۔ ان کی تقریباً نصف فوج ہلاک یا زخمی ہو گئی اور باقی بھاگ نکلی۔ اس طرح مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی۔ اس جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے اس کے بعد رومی کبھی اتنی تعداد میں جمع نہ ہو سکے۔ ہرقل کو انطاکیہ میں شکست کی خبر پہنچی تو اس کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

''رخصت! اے شام''

اور پھر اس نے فی الواقع سرزمینِ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی راہ لی۔

(۱۶)

یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو قنسرین کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ اثنائے راہ میں حاضر کے مقام پر ایک نامور رومی جرنیل میناس ایک بڑی فوج کے ساتھ حضرت خالدؓ کے مزاحم ہوا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو شکست فاش دی اور وہاں سے قنسرین کی طرف بڑھے۔ اہل قنسرین چند دن قلعہ بند ہو کر مدافعت کرتے رہے۔ حضرت خالدؓ نے ان کو پیغام بھیجا:

''تم اگر بادلوں میں جا چھپو گے جب بھی خدا ہمیں اٹھا کر تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمھیں ہمارے پاس اتار دے گا۔''

یہ پیغام ملنے پر محصورین ہمت ہار بیٹھے اور صلح کی درخواست کی حضرت خالدؓ نے اس شرط پر صلح منظور کی کہ شہر کی فصیل منہدم کر دی جائے۔

قنسرین کے بعد مسلمانوں نے حلب، انطاکیہ، منبج، مرعش، حصن حرث اور دوسرے

بہت سے مقامات بھی آسانی سے فتح کر لیے۔ان میں سے مرعش خاص حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

اب مسلمانوں نے بیت المقدس (یوروشلم) کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ عیسائیوں نے معمولی مزاحمت کی لیکن پھر اس شرط پر صلح کرنے پر آمادہ ہوگئے کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود آ کر معاہدۂ صلح لکھیں۔حضرت ابوعبیدہؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ بیت المقدس عیسائیوں کا کعبۂ دین تھا اور مسلمانوں کے نزدیک بھی نہ صرف قبلۂ اوّل ہونے کی حیثیت سے نہایت معزّز و محترم تھا بلکہ اس لیے بھی کہ یہ انبیائے بنی اسرائیل کا قبلہ رہا تھا اور سرورِ عالم ﷺ نے اسی جگہ سے سفرِ معراج کی دوسری منزل کا آغاز فرمایا تھا۔ چوں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے وہاں تشریف لے جانے سے کسی کُشت وخون کے بغیر یہ مقدس شہر مسلمانوں کے ہاتھ آتا تھا اس لیے وہ بیت المقدس جانے پر آمادہ ہوگئے۔ رجب ۱۶ ہجری میں چند مہاجرین اور انصار کو ساتھ لیا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جابیہ پہنچے تو حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور دوسرے افسرانِ فوج نے استقبال کیا۔ یہ اصحاب دیبا وحریر کی قیمتی قبائیں پہنے ہوئے تھے۔حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو اس پُر تکلّف لباس میں دیکھا تو برہم ہوکر گھوڑے سے اتر پڑے اور زمین سے کنکریاں اٹھا کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگوں کو کیا ہوا جو اس تزئین وتکلّف کے ساتھ میرے استقبال کو آئے ہو؟ دو ہی سال کے عرصے میں تم نے اپنی سادگی ترک کر کے عجمی وضع اختیار کرلی۔''

انہوں نے عرض کیا:

''امیر المؤمنین ہم نے اپنی سپاہیانہ وضع ترک نہیں کی ہے ان قباؤں کے نیچے ہمارے ہتھیار موجود ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔اس کے بعد بیت المقدس تشریف لے گئے اور معاہدۂ صلح لکھ کر عیسائیوں کے حوالے کیا۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ شہر مسلمانوں کے سپرد کردیا۔

۱۷ ہجری کے اوائل میں قیصرِ روم نے حمص پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے اصل محرک اہل جزیرہ تھے۔ انہوں نے قیصر کو لکھا کہ آپ حمص پر فوج کشی کیجیے ہم ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ ان کی تحریک پر قیصر نے ایک بڑا لشکر حمص کی طرف روانہ کیا۔ ادھر سے اہل جزیرہ بھی تیس ہزار فوج کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کو اِدھر اُدھر سے جو کچھ فوج میسر آ سکتی تھی اس کو لے کر حمص کے باہر قیام کیا۔ حضرت خالدؓ اس وقت قنسرین میں تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام حالات کی اطلاع حضرت عمر فاروقؓ کو دی تو انہوں نے ہر طرف قاصد دوڑا دیے کہ ہر جگہ سے فوج کا کچھ حصہ فوراً امداد کو پہنچے۔ حضرت سہیل بن عدیؓ کو حکم ہوا کہ جزیرہ پہنچ کر اہل جزیرہ کو حمص کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ ساتھ ہی ولیدؓ بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر ان عرب قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت سہیلؓ اور ولیدؓ جزیرہ کی طرف بڑھے تو اہل جزیرہ کو گھر کی فکر پڑ گئی اور وہ حمص کا ارادہ چھوڑ کر واپس چل دیے۔ عرب قبائل جو رومیوں کی مدد کے لیے آئے تھے وہ بھی پشیمان ہوئے اور حضرت خالدؓ کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ کہیں تو ہم اسی وقت رومیوں سے الگ ہو جائیں یا عین حالت جنگ میں ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھ کو نہ تمہارے ٹھہرنے کی پروا ہے نہ رومیوں کا ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کی تاہم اگر تم سچے ہو تو عین موقعے پر رومی لشکر سے الگ ہو کر کسی طرف نکل جانا۔

اہلِ جزیرہ کے الگ ہو جانے سے رومیوں کی قوت کمزور ہو گئی۔ اُدھر مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے تقاضا کیا کہ رومیوں پر حملہ کیا جائے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی حملہ کرنے کے حق میں رائے دی اور کہا کہ رومی ہمیشہ اپنی کثرتِ تعداد کے بل پر لڑتے ہیں لیکن اب ان کو یہ بات بھی حاصل نہیں رہی اس لیے حملہ کرنے میں تاخیر مناسب نہیں۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے فوج کے سامنے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا اور پھر رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ رومیوں نے اس حملہ کو سنبھالا لیکن دفعۃً عرب قبائل (جیسا کہ وہ حضرت خالدؓ سے قول و اقرار کر چکے تھے) رومی لشکر سے الگ ہو کر پیچھے ہٹے۔ اس طرح رومیوں کو سخت دھچکا لگا اور وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

علّامہ شبلیؒ نے ''الفاروق'' میں لکھا ہے کہ:

''یہ اخیر معرکہ تھا، جس کی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد پھر کبھی ان کو پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا۔''

(۱۷)

پیچھے ذکر آ چکا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند نشین خلافت ہو کر (۱۳ھ میں) حضرت خالدؓ بن ولید کو شام کے سپہ سالارِ اعلیٰ (کمانڈر انچیف) کے عہدے سے سبک دوش کر کے حضرت ابوعبیدہؓ الجراح کے ماتحت کر دیا تھا۔ بعض حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی حضرت خالدؓ کو مکمل طور پر معزول کر دیا لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ (۱۳ھ میں) حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کیا لیکن فوج کے ایک اعلیٰ افسر کی حیثیت سے برقرار رکھا۔ البتہ ۱۷ ہجری میں ان کو مکمل طور پر معزول کر کے ایک عام سپاہی بنا دیا۔ اسلام کے اس عظیم ترین جرنیل کی معزولی کے کیا اسباب تھے؟ مؤرخین نے اس سلسلہ میں بہت سی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کو ذاتی طور پر ناپسند کرتے تھے اور بچپن ہی سے اُن کا دل حضرت خالدؓ کی طرف سے صاف نہیں تھا لیکن یہ قیاس بدیہی طور پر غلط ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ دیانت اور تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ امورِ مملکت میں اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ مملکت اسلامیہ اور اُمّت کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے۔

مختلف روایتوں میں حضرت خالدؓ کی معزولی کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے، جو قرین عقل معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت خالدؓ نے عسکری مزاج پایا تھا وہ بسا اوقات ایسے موقعوں پر بھی سختی سے کام لیتے تھے جہاں نرمی اور درگزر سے کام لیا جا سکتا تھا۔ ان کے برعکس حضرت ابوعبیدہؓ بڑے ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے اور تدبیر و شجاعت کے اوصاف سے بھی بہرہ ور تھے۔

(۲) حضرت خالدؓ بعض اوقات جوشِ شجاعت و تہوّر میں ایسے اقدامات کر بیٹھتے تھے، جو حضرت عمرؓ کے نزدیک بے احتیاطی کی تعریف میں آتے تھے۔

(۳) حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا اور بعد میں اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ بعض صحابۂ کرامؓ کو جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، حضرت خالدؓ کا یہ فعل پسند نہ آیا اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو مشورہ دیا کہ وہ خالد کو معزول کر دیں۔ لیکن صدّیقِ اکبرؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور حضرت خالدؓ کا عذر قبول کر کے فرمایا: ''میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا۔''

بقولِ بعض صدّیقِ اکبرؓ نے حضرت خالدؓ کے اس فعل کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کیا اور انہیں بری الذمہ قرار دیا لیکن حضرت عمرؓ مطمئن نہ ہوئے۔

(۴) حضرت خالدؓ بعض اوقات حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی اجازت کے بغیر بھی کوئی کام کر بیٹھتے تھے۔ ۱۲ہجری میں ان کا محاذِ جنگ کو چھوڑ کر خفیہ حج کرنا ایسا ہی کام تھا۔ اگرچہ حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے درگزر سے کام لیا لیکن ان کو ہدایت کی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کریں۔ حضرت عمرؓ ایسی باتوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۵) حضرت خالدؓ جزیہ لگان وغیرہ کا باقاعدہ حساب بارگاہِ خلافت میں نہیں بھیجتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک یہ طرزِ عمل قابلِ گرفت تھا۔

(۶) حضرت خالدؓ فوجی معاملات میں قدم قدم پر بارگاہِ خلافت سے رہنمائی اور اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ فوجی معاملات کو موقع پر موجود افسران ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں، اس لیے ان کے پاس ہر قسم کا قدم اٹھانے کے وسیع اختیارات ہونے چاہئیں۔ حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کے اس وقف سے اتفاق نہ تھا وہ اپنے آپ کو فوج کے ایک ایک سپاہی کی سلامتی اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے تھے اس لیے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی اہم قدم ان کے مشورہ کے بغیر نہ اٹھایا جائے۔

(۷) مسلمانوں میں یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کی جنگی مہارت اور قوتِ بازو پر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اس قسم کے خیال کو اُمّتِ مسلمہ کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ایک فانی انسان پر حد سے زیادہ بھروسا کرنا نہ صرف قوتِ ایمانی کو کمزور کرنے کا باعث ہوسکتا تھا بلکہ اس سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت

سے بھی محروم ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اس خیال کو مسلمانوں کے دل سے نکالنے کے لیے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد کے سب سے بڑے فاتح جرنیل کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہ تمام اسباب اپنی جگہ پر کتنے ہی اہم ہوں حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۳ھ میں صرف حضرت خالدؓ کا عہدہ (Rank) گھٹانے پر اکتفا کیا اور پھر چار سال سے کچھ زائد عرصہ تک ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ۱۷ ہجری میں ان کی مکمل معزولی کا باعث جو واقعہ ہوا وہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک شاعر (اشعث بن قیس) کو ایک ہزار دینار (یا دس ہزار درہم) انعام دیے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے عُمّال اور افسروں کی ہر بات پر کڑی نظر رکھتے تھے اور کسی ایسی چیز کو گوارا نہ کرتے تھے جو اسلام کی روح سے ہم آہنگ نہ ہو۔ ان کو حضرت خالدؓ کی شاہانہ فیاضی'' کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ اگر خالدؓ نے یہ رقم سرکاری خزانہ سے دی تو خیانت کی اور اپنی گرہ سے دی تو اسراف کیا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ جو قاصد یہ خط لے کر گیا حضرت عمرؓ نے اس کو ہدایت کی کہ خالدؓ سے مجمع عام میں دریافت کرو کہ اتنا بھاری انعام آپ نے کہاں سے دیا؟ اگر وہ اپنی خطا کا اقرار کر لیں تو ان سے درگزر کرنا ورنہ دستور کے مطابق اس مجمع کے سامنے ان کو معزول کر دینا۔

قاصد نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان مجمع عام میں پڑھا اور پھر حضرت خالدؓ سے پوچھا کہ آپ نے اتنا بڑا انعام کہاں سے دیا؟ حضرت خالدؓ نے جواب دیا کہ یہ انعام میں نے اپنے مال سے دیا اور میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ چوں کہ انہوں نے خطا سے انکار کیا، قاصد نے کہا کہ آپ نے اسراف کیا اس لیے امیر المؤمنین کے حکم سے آپ کو معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور عمامہ گردن میں ڈال دیا۔

ایک روایت کے مطابق یہ کام حضرت ابوعبیدہؓ نے کیا۔ اس موقع پر حضرت خالدؓ نے کہا، میں نے فرمان سنا اور مانا۔ اب بھی میں افسروں کے احکام ماننے اور خدمات بجالانے کے لیے تیار ہوں۔

ایک اور روایت میں ان سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔ ''میں اپنا نفس اللہ تعالیٰ کو ہبہ کر چکا ہوں۔''

علامہ شبلیؒ ''الفاروق'' میں لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام عالم اسلام میں کوئی شخص نہ ہو اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا، اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعے سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت وجلال کا اندازہ ہوتا ہے۔''

حضرت خالدؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم کر دیا لیکن وہ اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے تھے اس لیے قدرتی طور پر ان کے دل میں قدرے ملال پیدا ہوا۔ وہ حمص گئے تو لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا:

''امیر المؤمنین نے مجھ کو افواجِ شام کا افسر بنایا اور جب میں نے سارا شام فتح کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔''

ان کے اس اظہارِ ملال پر ایک مجاہد اٹھ کھڑا ہوا اور کہا، ایسی باتیں منہ سے نہ نکالیے ان سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔

حضرت خالدؓ نے فرمایا:

''میرے بھائی! عمرؓ کے ہوتے ہوئے کسی فتنے کا اندیشہ نہیں۔''

(کتاب الخراج، قاضی ابو یوسفؒ)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ معزولی کے بعد حضرت خالدؓ حمص ہوتے ہوئے مدینہ منوّرہ گئے اور حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ آپ نے میرے معاملے میں زیادتی سے کام لیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا، تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟

انہوں نے کہا، مالِ غنیمت کے حصوں سے۔ میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ جو کچھ نکلے، وہ آپ لے لیجیے۔

حضرت عمرؓ نے فوراً حساب کرایا، بیس ہزار کی رقم زیادہ نکلی۔ حضرت خالدؓ نے یہ رقم بہ خوشی حضرت عمرؓ کے حوالے کر دی۔ انہوں نے اسے بیت المال میں داخل کرا دیا اور حضرت خالدؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

يَا خَالِدُ اِنَّکَ عَلَیَّ لَکَرِيْمٌ وَاِنَّکَ اِلَیَّ لَحَبِيْبٌ۔

اے خالد تم میرے نزدیک بزرگ ومحترم ہونے کے ساتھ مجھے عزیز اور پیارے بھی ہو۔

طبری کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے یہ شعر بھی پڑھا:

صنعت فلم یصنع کصنعک هانع
وما یصنع الاقوام فاللّٰه یصنع

(تم نے بہت سے کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور کوئی شخص بھی تم جیسے کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکا لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومیں کچھ نہیں کیا کرتیں، جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کرتا ہے)

اس کے بعد امیر المؤمنینؓ نے تمام ممالک محروسہ کو ایک فرمان بھیجا جس میں لکھا کہ:

''میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، صرف اس لیے معزول کیا ہے کہ مسلمان جان لیں کہ اسلامی فتوحات کا انحصار خالد کے زور وقوت پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر ہے۔''

''مستدرک حاکم'' میں ہے کہ معزولی کے کچھ عرصے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ کورہا، حران، آمد اور لرتہ کے علاقوں کا گورنر مقرر کر دیا۔ وہ ایک سال تک اس منصب پر کام کرتے رہے۔ اس کے بعد اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔ استعفا دینے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت خالدؓ نے کچھ دن بیمار رہ کر ۲۱ھ ۶۴۲ء (بہ روایتِ دیگر ۲۲ھ ۶۴۳ء) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت خالدؓ نے (بصد حسرت ویاس) فرمایا:

''میں نے اپنی زندگی میں تقریباً تین سو (بہ روایتِ دیگر ایک سو سے زائد) جنگیں لڑی ہیں۔ میرے جسم کے ہر حصے میں تیروں، تلواروں اور نیزوں کے زخم لگے ہیں مگر شہادت نصیب نہیں ہوئی اور آج بستر پر اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں۔ خدا بزدلوں کو کبھی چین نصیب نہ کرے۔''

حضرت خالدؓ کی جائے وفات اور مدفن کے بارے میں ارباب سیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ اس دن مدینہ کی خواتین خصوصاً بنی مغیرہ میں کہرام برپا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو رنج وغم سے نڈھال دیکھ کر فرمایا، بنومغیرہ کی عورتیں رونے میں معذور ہیں بہ شرطیکہ واویلا اور سینہ کوبی نہ کریں۔

___ لیکن جمہور اہل سیر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں حضرت عمرؓ سے مل کر حمص چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان اہل سیر میں واقدیؒ، طبریؒ، ابن عساکرؒ، ابن اثیرؒ، حافظ ذہبیؒ اور علامہ عینیؒ شارح بخاری شامل ہیں ___ ابنِ عساکرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ''حضرت خالدؓ کی قبر حمص میں ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے جنازے کو کس کس نے غسل دیا تھا اور کون کون جنازے پر حاضر ہوا تھا۔''

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ:

> ''صحیح یہ ہے کہ حضرت خالدؓ حمص میں فوت ہوئے اور ان کی قبر زیارت گاہ عوام ہے۔''
> (سیر اعلام النبلاء)

حافظ ابن عبد البرؒ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ وفات سے پہلے حضرت خالدؓ نے وصیت کی کہ میرے ہتھیار اور سواری کا گھوڑا اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے وقف کر دیے جائیں۔

بقول حافظ ذہبیؒ ان کا سارا اثاثہ یہ تھا:

ایک غلام، ایک گھوڑا اور اسلحہ

ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت خالدؓ کے ترکے کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا، اللہ ابوسلیمان پر رحم کرے، ہمیں یہ توقع نہ تھی کہ وہ اس تنگ دستی سے گزارہ کرتے ہوں گے۔

ایک اور روایت میں ابن عساکرؒ کہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ کو سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے فرمایا:

> ''خالد کے مرنے سے اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے، جو کبھی پُر نہ ہو سکے گی۔ کاش اللہ تعالیٰ ان کو اور طویل عرصہ تک زندہ رکھتا۔''

(۱۸)

حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنی زندگی میں کئی نکاح کیے، جن سے کثیر اولاد پیدا ہوئی لیکن ان کی تعداد اور ناموں کی تفصیل نہیں ملتی۔ اہل سیر نے صرف ان کے چار بیٹوں کے نام خصوصیت سے لیے ہیں۔ سلیمان جن کے نام کی نسبت سے حضرت خالدؓ کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ عبداللہ جو عراقِ عرب کے کسی معرکے میں شہید ہوئے۔ مہاجر جو جنگ صفّین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اور عبدالرحمٰنؓ جنہوں نے بہادری شہسواری اور سخاوت اپنے عظیم باپ سے ورثے میں پائی۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں وہ امیر معاویہؓ والیِ شام کے ماتحت حمص کے امیر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ اس مشہور لشکر میں ایک افسر کی حیثیت سے شریک تھے، جس نے امیر معاویہؓ کے عہد میں سب سے پہلے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی اور جس کے بارے میں سرورِ عالم ﷺ نے ''مغفور'' ہونے کی بشارت دی تھی۔ ابنِ قتیبہؒ کے بیان کے مطابق حضرت خالدؓ کے کئی لڑکے اور پوتے ۱۸ ہجری کی وبائے عمواس (طاعون) میں فوت ہوگئے۔

ابن اثیرؒ اور بعض دوسرے مؤرّخین کا بیان ہے کہ (دونسلوں کے بعد) حضرت خالدؓ بن ولید کی تمام اولاد ختم ہوگئی اور مشرق و مغرب میں کوئی شخص بھی ان کی اولاد میں سے باقی نہ رہا ـــــ رہے نام اللہ کا ـــــ حضرت خالدؓ کی نسل تو باقی نہ رہی لیکن انہوں نے جو کارنامے سرانجام دیے وہ ان کا نام ابد تک زندہ رکھیں گے۔

اربابِ سیر و تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید شکل و صورت قد و قامت اور آواز میں حضرت عمر فاروقؓ سے گہری مشابہت رکھتے تھے۔ حتّٰی کہ بعض لوگ غلطی سے حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ سمجھ بیٹھتے تھے گویا حضرت خالدؓ کا حلیہ حضرت عمر فاروقؓ کا حلیہ تھا اور حضرت عمر فاروقؓ کا حلیہ علامہ شبلی نے ''الفاروق'' میں اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''رنگ گندم گوں، قد لانبا یہاں تک کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسار سے کم گوشت، گھن کی ڈاڑھی، مونچھیں بڑی بڑی سر کے بال سامنے سے اڑ گئے تھے۔''

(۱۹)

حضرت خالدؓ بن ولید اگر چہ خالص فوجی آدمی تھے لیکن علم وفضل سے تہی دامن نہ تھے۔ ان سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں، جن میں سے دو متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاریؒ منفرد ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' اور تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ کے رواۃِ حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، مقدام بن معدیکربؓ، قیس بن ابی حازمؒ، اشتر نخعیؒ، علقمہ بن قیسؒ، جبیر بن نفیرؒ اور ابوالعالیہؒ وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت خالدؓ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے لیکن جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے مسند افتا پر نہ بیٹھے۔ ان کے فتووں کی تعداد تین چار سے زیادہ نہیں ہے۔ ان کی فقہی بصیرت کا اندازہ اس واقعے سے کیا جاسکتا ہے کہ (قیام شام کے دوران میں) ایک مرتبہ ایک حمام میں غسل کے لیے گئے اور جسم کو عُصفُر نامی ابٹن سے رگڑا (یا ملوایا) جسے مٹی میں شراب ملا کر اور پھر اسے آگ میں پکا کر تیار کیا گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت خالدؓ کو لکھا:

> ''مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے شراب سے تیار کیے ہوئے ابٹن کو اپنے جسم پر ملا۔ اللہ نے شراب کے ظاہر اور باطن کو اسی طرح حرام کیا ہے، جس طرح اس نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو حرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح شراب پینے سے منع کیا ہے۔ اسی طرح اس کے چھونے کو بھی حرام قرار دیا ہے چہ جائے کہ اس سے غسل کیا جائے۔ واضح ہو کہ شراب نجس ہے اسے ہاتھ نہ لگاؤ اور اگر (غلطی سے) ایسا کر لیا ہو تو آئندہ نہ کرنا۔''

حضرت خالدؓ نے جواب میں لکھا:

> ''ہم نے اس مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے شراب کی خاصیتیں قطعاً دُور کر دی تھیں اس لیے اس سے جسم صاف کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔''

دینی احکام اور مسائل سے حضرت خالدؓ کی واقفیت کا ثبوت اس حقیقت سے بھی ملتا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو کئی موقعوں پر تبلیغ اور اشاعت دین پر مامور فرمایا۔ یہ فریضہ آپؐ انہی اصحاب کے سپرد فرماتے تھے، جو اسلامی عقائد واعمال اور دینی امور سے کماحقہٗ واقفیت رکھتے تھے اور ہر لحاظ سے مبلّغ بننے کے اہل ہوتے تھے۔ بنو جذیمہ، بنو عبدالمدان، بنو حارث بن کعب

وغیرہ حضرت خالدؓ ہی کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح فتنۂ ردّہ میں بنو ہوازن، بنو عامر، بنو سُلیم، بنو طے وغیرہ بھی دوبارہ انہی کی کوششوں سے اسلام لائے۔ جنگ یرموک میں رومی سفیر جرجہ کو ایسے مؤثر پیرایہ میں اسلام کی تبلیغ کی کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

(۲۰)

حضرت خالدؓ بن ولید کے گلشن اخلاق میں شوقِ جہاد، رسول اکرم ﷺ کی محبت، رضا جوئی اور آپؐ کا ادب واحترام، شجاعت وجواں مردی، حق پسندی اور جود وسخا سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ شوق جہاد تو ان کی زندگی کا اتنا نمایاں پہلو ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ۸ھ میں مشرف بہ ایمان ہوئے اور اس کے بعد تقریباً چودہ برس تک حیات رہے۔ اس مدت کا بیشتر حصہ میدان جہاد میں گزارا۔ تقریباً سوا سو (اور بہ روایتِ دیگر تین سو) لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہر ایک میں کامیاب ہوئے۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر کسی نہ کسی ہتھیار کا زخم نہ لگا ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کی کوئی رات (یہاں تک کہ شب عروسی بھی) مجھے اُس سخت رات سے محبوب نہیں جس میں دشمنوں سے لڑوں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ شہادت نصیب ہو لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہتھیار بنا ہی نہیں تھا جو میدان جنگ میں ''اللہ کی تلوار'' کو توڑ سکے۔

سرور عالم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اور کسی کی زبان سے حضوؐر کی شان میں کسی قسم کی گستاخی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ حضوؐر کے پاس کچھ سونا آیا۔ اس وقت نجد کے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے تمام سونا ان میں تقسیم کر دیا لیکن ایک شخص اپنے حصے سے مطمئن نہ ہوا اور کہا:

''محمدؐ اللہ سے ڈر''

رحمتِ عالمؐ نے نہایت تحمل سے فرمایا:

''اگر میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو اور کون اس کی اطاعت کرتا ہے۔''

حضرت خالدؓ بھی اس موقعے پر موجود تھے وہ نجدی کی گستاخی پر سراپا جلال بن گئے، تلوار نیام سے کھینچی اور حضوؐر سے اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی۔ لیکن آپؐ سراپا عفو وکرم تھے فرمایا، خالد جانے دو۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کو ایک سریہ میں امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ بھی اس سریہ میں شریک تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے پوچھے بغیر ایک شخص کو اسلام کا اقرار کرنے پر پناہ دے دی۔ اس پر حضرت خالدؓ سے ان کی تکرار ہوگئی اور نوبت سخت کلامی تک پہنچ گئی۔ حضرت عمارؓ نے مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہ رسالت میں حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ اسی اثنا میں حضرت خالدؓ بھی پہنچ گئے اور اپنے خلاف شکایت سن کر حضرت عمارؓ کو سخت سست کہنے لگے۔ حضورؐ نے اس پر بدیں الفاظ ناراضی کا اظہار فرمایا کہ جو شخص عمار سے بُغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بُغض رکھتا ہے وہ خدا سے بُغض رکھتا ہے۔

حضرت خالدؓ ارشادِ نبویؐ سن کر کانپ اٹھے۔ اسی وقت حضرت عمارؓ سے بار بار معافی مانگنے لگے لیکن وہ اس قدر رنجیدہ تھے کہ مجلس نبویؐ سے اٹھ کر چل دیے۔ حضرت خالدؓ بھی ان کے پیچھے ہولیے اور اس قدر منت سماجت کی کہ بالآخر وہ راضی ہوگئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھا تو عمار کو راضی کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مجھ کو محبوب نہ تھی۔

فتنۂ ردّہ میں انہوں نے مالک بن نویرہ کو جن اسباب کی بنا پر قتل کیا ان میں ایک یہ تھا کہ وہ اپنی گفتگو میں حضورؐ کا ذکر بار بار ''صاحبک'' کہہ کر کرتا تھا۔ اس پر حضرت خالدؓ برہم ہوگئے اور فرمایا:

''کیا رسول اللہ ﷺ تمہارے صاحب نہیں تھے؟''

حضورؐ کے ساتھ ان کی محبت اور عقیدت کی یہ کیفیت تھی کہ آپؐ کے کچھ موئے مبارک اپنی ٹوپی میں سلوا لیے تھے اور اسی کو پہن کر میدانِ جنگ میں جایا کرتے تھے۔ جنگ یرموک میں ایک موقعے پر یہ ٹوپی کہیں گر گئی تو سخت پریشان ہوئے۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسے تلاش کیا تب کہیں جا کر اطمینانِ خاطر میسر ہوا۔

ان کی شجاعت، جواں مردی اور عسکری قابلیت کا لوہا دشمن بھی مانتے تھے۔ فوجوں کو اس طرح مرتب کرتے اور لڑاتے تھے کہ فتح یقینی ہوجاتی تھی۔ جنگی چالوں میں بھی حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ ان کی جنگی چالیں دشمن کو حواس باختہ کر دیتی تھیں اور وہ ہتھیار پھینکنے پر مجبور ہوجاتا تھا۔ ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں خود فوجوں کی قیادت کرتے تھے اور صفِ اوّل میں ہو کر لڑتے تھے۔

حضرت خالدؓ نے ایک امیر کبیر گھرانے میں پرورش پائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں عیش و تنعّم میں پڑنے سے بچالیا گو وہ قبولِ اسلام سے پہلے بھی سخت کوش تھے لیکن قبولِ اسلام کے بعد تو انہوں نے سخت کوشی کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا۔ میدانِ جہاد میں راتیں جاگ جاگ کر کاٹتے تھے نہ خود سوتے تھے اور نہ اپنے ساتھیوں کو سونے دیتے تھے۔ خود کو بھی اور انہیں بھی ہر وقت چوکنّا اور مستعد رکھتے تھے۔ دشمن کی تعداد، قوّت اور نقل و حرکت کی ٹوہ لینے کا خاص اہتمام کرتے تھے اور اس کی کوئی بات ان سے مخفی نہ رہ سکتی تھی۔

اپنے ماتحتوں سے حضرت خالدؓ کا سلوک نہایت مشفقانہ اور مربیانہ ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ فوج ان پر جان چھڑکتی تھی اور ان کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خالدؓ کی فطرت میں انفاق فی سبیل اللہ اور جود و سخا کا جذبہ بھی ودیعت کیا تھا۔ ان کے پاس سامان حرب کا کافی بڑا ذخیرہ تھا۔ اسلام لائے تو اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔ چوں کہ اکثر جہاد میں مشغول رہتے تھے اس لیے بہ کثرت مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا۔ اس کا بیشتر حصہ وہ محتاجوں، غریبوں، حاجت مندوں اور اپنے ماتحتوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود کفایت اور سادگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی داد و دہش شاعروں تک پر محیط تھی۔ ایک شاعر کو بہت بڑی رقم انعام میں دے دی اور یہی بات ان کی فوری معزولی کا باعث بن گئی۔

حضرت خالدؓ اپنے عسکری مزاج کے باوجود نہایت حق پسند اور خدا سے ڈرنے والے تھے۔ اگر کسی بات پر حضورؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا تو فوراً اس کی تلافی میں لگ گئے اور پھر ایسی بات کبھی نہ کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں اس وقت معزول کیا جب ان کی مقبولیت اور ہر دل عزیز انتہائی عروج پر تھی۔ مجمع عام میں ان کی ٹوپی اتاری گئی اور عمامہ گردن میں ڈالا گیا لیکن انہوں نے امیر المومنینؓ کے فرمان کے سامنے دم نہ مارا۔

قوتِ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جنگ کے موقع پر کسی شخص نے کہا کہ رومی کس قدر کثیر ہیں اور مسلمان کس قدر کم ہیں۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا:

> ''رومی کس قدر کم ہیں اور مسلمان کس قدر کثیر؟ فوج تائیدِ الٰہی کے ساتھ کثیر ہوتی ہے اور اللہ کے رسوا کر دینے سے قلیل ہوتی ہے۔ آدمیوں کی تعداد پر اس کا دار و مدار نہیں ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو یہ پسند ہے کہ میرا یہ اشقر گھوڑا اپنی دکھی چال چھوڑ دیتا اور مسلمان

تعداد میں اور بھی کم ہو جاتے۔ (حضرت خالدؓ کے گھوڑے کے سم زیادہ سفر کرنے کی وجہ سے پتلے پڑ گئے تھے) (تاریخ طبری)

ایک مرتبہ (عراقِ عرب کی جنگوں کے دوران میں) حضرت خالدؓ حیرہ میں بنی مرازبہ کے امیر کے پاس ٹھہرے۔ مسلمانوں نے ان سے کہا کہ زہر سے بچیے گا عجمی آپ کو زہر نہ کھلا دیں۔ حضرت خالدؓ نے لوگوں سے زہر طلب کیا۔ زہر ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پھر بسم اللہ کہہ کر اس کو نگل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوتِ ایمانی کی بدولت ان کو زہر کے اثر سے محفوظ رکھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ زہر کھاتے وقت حضرت، خالدؓ نے یہ بھی فرمایا:

''ہرگز کوئی نفس نہیں مرے گا، یہاں تک کہ اس کا وقت آ جائے۔''

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات بھی تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں ان کی کئی کرامات نقل کی ہیں۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود رحمتِ دوعالم ﷺ ان کی شجاعت اور جواں مردی کے معترف اور مداح تھے، یہی سبب تھا کہ آپؐ نے انہیں ''سیف اللہ'' کا مہتم بالشان لقب مرحمت فرمایا۔

فتح مکہ کے موقع پر حضرت خالدؓ فاتحانہ شان کے ساتھ ایک گھاٹی سے نمودار ہوئے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ وہ سامنے خالد آ رہے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا بندہ بھی کیا خوب آدمی ہے۔'' (مسند احمدؒ)

ایک اور موقع پر حضورؐ نے فرمایا:

''تم لوگ خالد کو کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیوں کہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر کھینچا ہے۔''

عہد رسالت میں ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے تحصیل زکوٰۃ کے سلسلے میں حضرت خالدؓ پر سختی کی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

''تم لوگ خالد پر زیادتی کرتے ہو، اس نے اپنا تمام سامانِ حرب اللہ کی راہ میں وقف کر دیا اب اس پر زکوٰۃ کیسی؟''

خود حضرت خالدؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس دن سے میں اسلام لایا اس دن سے رسول اللہ ﷺ میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔

سرورِ عالم ﷺ نے دو تین موقعوں پر حضرت خالدؓ کو کئی جلیل القدر (قدیم الاسلام) صحابہؓ پر افسر بنایا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی عراقِ عرب اور شام کی جنگوں میں ان کو متعدد عظیم المرتبت صحابہؓ پر امیر مقرر کیا۔

سیدنا حضرت خالدؓ بن ولید کی سیرت و کردار اور عظیم الشان کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں یہاں اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا جا سکتا تھا وہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب ہم اس تذکرہ جمیل کو ''خالدؓ سیف اللہ'' کے مؤلف ابوزید شلبی کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

> ''اللہ حضرت خالدؓ بن ولید پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ انہوں نے اسلام کی خاطر جو خدمات سرانجام دیں وہ ایسی ہیں کہ بھلائی نہیں جا سکتیں۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ان کی زندگی کے واقعات پر غور کرے اور اپنے میں بھی وہی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے، جو حضرت خالدؓ میں تھیں کیوں کہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگی انہی صفات کو اختیار کرنے میں مضمر ہے۔''

رضی اللہ تعالیٰ عنہ